براہوئی کا اوّلین ناول

روشِ پیش

گُل بنگلزئی

آفتابِ تازہ

اردو ترجمہ

غوث بخش صابر

براہوئی کا اولین ناول

روش پیش

گل بنگلزئی

آفتاب تازہ

اردو ترجمہ
غوث بخش صابر

اکادمی ادبیات پاکستان

نگران اعلیٰ		فخر زمان
تزئین و طباعت		طارق شاہد
سال اشاعت		۱۹۹۵ء
تعداد		ایک ہزار
ناشر		اکادمی ادبیات پاکستان'
		ایچ ۸/۱' اسلام آباد
مطبع	:	اسد پرنٹرز' اسلام آباد
قیمت	**:**	**مجلد -/۱۰۰ روپے**
	:	**پیپر بیک -/۹۰ روپے**

آئی ایس بی این ۱-۹۰۱-۲۷-۴-۹۶۹

فہرست

ابتدائیہ

اکادمی ادبیات پاکستان ادب کے ذریعے قومی یکجہتی کے فروغ اور پاکستانی ادب کو متعارف کرانے کے لئے اہم کام کر رہی ہے۔ قومی یکجہتی کی فضاء ہموار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کرائے جائیں تاکہ ایک دوسرے کے ادبی رویوں اور رجحانات سے واقف ہوں۔ پاکستان کی تمام زبانوں کے ادب کا فروغ اکادمی کے مقاصد میں شامل ہے۔ اولین ناول کے تراجم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اکادمی سندھی، پنجابی، بلوچی، پشتو اور سرائیکی زبانوں کے اولین ناول کے تراجم کر چکی ہے۔

زیر نظر ناول گل بنگلزئی کے اولین براہوی ناول "روشن پیش" کا اردو ترجمہ "آفتاب تازہ" ہے جسے جناب غوث بخش صابر نے خوبصورتی سے ترجمہ کیا ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان مترجمین اور صاحب تصنیف کی ممنون ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔

فخر زمان

تعارف

گل بنگلزئی اگست 1938ء میں کوئٹہ کے قریب نوحصار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد سلیمان ہے۔ نوحصار اسکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1955ء میں اسپیشل ہائی اسکول کوئٹہ سے میٹرک اور 1969ء میں پنجاب یونیورسٹی سے تاریخ میں ماسٹر کی ڈگری لی۔ گل بنگلزئی نے 1958ء میں محکمہ زراعت اور 1971ء میں بلوچستان یونیورسٹی سے ملازمت کا آغاز کیا۔ مختلف عہدوں پر کام کرنے کے بعد اس وقت یونیورسٹی کے کنٹرولر امتحانات کے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں۔ وہ 1979ء سے 1984ء تک بلوچستان ثانوی بورڈ کے کنٹرولر بھی رہ چکے ہیں۔

1955ء سے براہوئی میں لکھ رہے ہیں۔ براہوئی کا پہلا تخلیقی ناول "دریہو" انہوں نے ہی تحریر کیا ہے۔ دیگر کتب میں "قائد اعظم نازاناک" "دژداتا گواچی" "دریہو" "زندنا چراغ اور روش پیش (آفتاب تازہ) قابل ذکر ہیں۔ براہوئی نثری تخلیقی ادب میں گل بنگلزئی اپنے منفرد اسلوب' خالص براہوئی تراکیب اور محاورات کے استعمال کی وجہ سے منفرد مقام رکھتے ہیں۔

رزاق صابر

احوال واقعی

آفتاب تازہ (روش پیش) ہر چند کہ ناول نگاری میں میری دوسری کوشش ہے لیکن واقعتاً" براہوئی زبان کا پہلا ناول ہے۔ جسے تکنیکی اعتبار سے ناول کہا جائے۔ جن قارئین نے میرے افسانوں کا مجموعہ " نذر آلام" (دڑداتا گواچی) اور ناول "دریسو" پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ جس مسئلے کو علی الخصوص میں قارئین کے سامنے اپنی تحریروں میں لانا چاہتا ہوں یہ ناول بھی انہی مصائب و آلام' روزگار تلخ' ناخواندگی اور گہری تاریکی کے خلاف جہد مسلسل کا اعادہ ہے۔ میں خواہ اپنی قلم کا رخ موڑنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کروں مگر اسی قدر میرے ملک میں مصائب کے شکار عوام کے مسائل اسے ہیر پھیر کر اسی موضوع کی طرف لے آتے ہیں۔ میں اپنے عوام کی بے بسی' پیوند کاری' آبلہ پائی اور خستہ حالی سے صرف نظر نہیں کر سکتا جنہیں میں نے قریب سے دیکھا ہے۔ میں جب لکھنے بیٹھتا ہوں میرا قلم' قلمدان اور میرے خیالات مجھے ان تفاصیل کے لکھنے پر اکساتے ہیں جن سے بلوچستان کے عوام کی زندگی صدیوں سے تلخ ہو کر رہ گئی ہے۔ پرانی کہاوتیں' کہانیاں اور یادیں دہرانے کا مقصد ائندہ نسل کو اس کے ماضی کی تصویر دکھانا ہے کہ انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔

آفتاب تازہ (روش پیش) کا مسودہ اگرچہ 1990ء میں ہی مکمل ہو گیا تھا مگر چھپوانے کے وسائل اب جا کر جمع ہو سکے ہیں۔ اس کی صورت خطی یا صورت گری کے لئے پروفیسر جناب نادر قمبرانی' ترتیب و تدوین کے لئے جناب عبدالرزاق صابر سرپرہ کا شکر گذار ہوں اگر ان کی مشاورت شامل حال نہ ہوتی تو میں یہ ناول آپ کی خدمت میں پیش نہ کر پاتا۔

گل بنگلزئی

ولی تمنا

براہوئی زبان جس قدر قدیم ہے براہوئی ادب اسی قدر نووار۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اہل قلم شاعر اور ادیب جس تندہی اور تڑپ کے ساتھ اپنے ادب کی ترقی و پیش رفت کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں یہ ایک اچھی بلکہ حوصلہ افزاء علامت ہے۔ جیسے کہ براہوئی شاعری لوک گیتوں سے نشوونما پا کر اب مثنوی' غزل اور نظم کے اصناف کو ترقی دینے لگی ہے بالکل اسی طرح براہوئی نثر بھی لوک کہانیوں' داستانوں کی زدبان لگا کر افسانہ' رپورتاژ' صحافت و سوانح نگاری پر دست رس حاصل کر کے اب ناول نویسی کی سیڑھی چڑھ رہی ہے۔

آج براہوئی کے اولین ناول کے بعد دوسرا اور تیسرا ناول بھی ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ براہوئی ادب کے میدان میں ادیبوں اور دانشوروں کے روش بدوش میر گل بنگلزئی نمایاں ہیں جن کا اپنا منفرد انداز اور ممتاز مقام ہے۔ ویسے تو گل صاحب نے شاعری بھی کی ہے اور کرتے ہیں۔ مگر افسانہ اور ناول نگاری کے حوالے سے ان کا بہت بڑا نام ہے۔ گل صاحب چونکہ خانہ بدوشانہ دیہی زندگی سے گزر کر آئے ہیں اس لئے وہ عوام کے دکھ درد' مصائب و مشکلات سے بخوبی باخبر ہیں۔ قبائلی معاشرت اور سرداری نظام کے ہر نشیب و فراز سے آگاہ ہیں۔ چرواہا' ہاری اور مزدور کی زندگی نے ان کے مشاہدہ بڑھا دیا ہے اس کا دل اپنے عوام مجبوری بربنگی اور فاقہ کشی پر تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ لوگوں کی جہالت' ناخواندگی اور اتحاد سے محرومی ان کے دکھوں میں اضافہ کر دیتی ہے۔ عوام اپنے دوست اور دشمن میں تمیز نہیں کر سکتے۔ جس نے بھی انہیں بہلایا پھسلایا وہ اسی کی راہ پر چل دیتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ میر' معتبر'

سردار اور نواب محنت کش عوام پر بری طرح مسلط ہیں وہ ان کے شکنجے میں پھنسے تو تھے ہی مگر دین کی پاکیزہ تعلیمات کے نام سے پیر' فقیر' سید اور ملا بھی انہیں ٹھگ رہے ہیں۔ مگر عوام بھولے بھالے بھیڑ کی طرح ہر قصاب کے پیروکار ہیں۔ گل صاحب کا قلم عوام کو ان کے آلام و مصائب کی حقیقت کا احساس دلاتا ہے ان کے دشمنوں اور بدخواہوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ اپنے عوام کی گردنوں سے زنجیر غلامی توڑ کر انہیں عزت و آزادی کی راہ دکھاتا ہے۔ وہ لوگوں کو تلقین و ترغیب دیتا ہے کہ علم اور اتفاق ان کے دکھوں کی دوا ہے۔ گل صاحب از کار رفتہ رسومات و اوہام کی خرابیاں اور اچھے رواج کی خوبیاں لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ گل صاحب عام لوگوں سے انہی کی زبان میں گفتگو کرتا ہے ان کی ہر قدم پر رہنمائی کرتا ہے۔ بتاتا ہے' سمجھتا ہے اس کی ہمیشہ سے یہ کوشش ہے کہ سادہ اور سلیس زبان میں اپنی بات لوگوں تک پہنچائے۔ تاہم اس کے افسانوں اور ناولوں میں براہوئی زبان کے انول اور نایاب الفاظ ملتے ہیں۔ وہ سچے محاروں' ضرب الامثال اور تراکیب کو حسن و خوبی سے استعمال کر کے زبان کی ترقی کے لئے کوشاں ہے۔

گل صاحب کا یہ نیا ناول (آفتاب تازہ) ہے جس میں گنتی کے چند کردار ہیں۔ جانو خان اس کا مرکزی کردار ہے۔ جانو خان کو اپنے لوگوں کی پسماندگی اور بے بضاعتی کا شدت سے احساس ہے۔ انصاف قارئین کے ہاتھ میں ہے۔

نادر قمبرانی

باب اول

ریل کی پٹڑی بدل کر پوائنٹس مین جانو خان بھاگم بھاگ کانپتا ٹھٹھرتا اپنی ہٹ (HUT) یعنی چھوٹی سی کوٹھڑی میں دب کر بیٹھ گیا۔ ہرک کے اسٹیشن پر آج قیامت کی سردی پڑ رہی تھی برفیلی ہوائیں جسم کو چھیدے جا رہی تھیں۔ سرد ہوا کے ساتھ بارش کی یخ بستہ بوندیں جہاں گرتیں وہیں جم کر رہ جاتیں۔ اسٹیشن کی چادر کی چھتوں سے ایسی چیخیں اٹھ رہی تھیں کہ ان کو ہوا ابھی اکھاڑ کر دور پھینک دے گی۔ اس پر مستزاد رات کی گہری تاریکی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ جانو خان ریلوے کی بتی کو بارش کی بوندوں سے بمشکل بچاتا ہوا اپنی ہٹ تک پہنچ سکا تھا۔ ہوا کی سائیں سائیں ایسی کہ ریل کی آواز تک کانوں میں نہ پڑتی۔ ہر طرف شمال کی برفیلی ہوا کی حکمرانی تھی کبھی کبھی ہوا کے تیز و تند تھپیڑوں سے کوئی کاغذ یا سگریٹ کی خالی ڈبیا اڑ کر پلیٹ فارم کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا پہنچتی۔

جانو کان نے بتی ہٹ کے ایک کونے میں رکھ کر ایک کپڑے سے اپنا منہ پونچھا۔ شدید ہوا اپنے ساتھ اب تک گرد و غبار اڑا رہی تھی بارش اتنی نہیں بری تھی کہ گرد و غبار زمین سے لگ کر بجھ جاتا' ہوا تو تھی سو تھی مگر یہ مٹی پھانکنا ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ تھکن سے بدن چور چور ہو رہا تھا جب کہ دمہ کی تکلیف جان لینے لگی تھی۔ ہائے زندگی! کیا کچھ نہ دکھایا مجھ کو۔ جانو خان نے سوچا' چہرے سے چادر ہٹا کر جلتے ہوئے اسٹوو پر ٹھٹھرتے ہوئے ہاتھ تاپنے لگا۔ ریلوے کی یہی تو خوبی ہے کہ اس میں موسم سرما میں لکڑی اور کوئلے کی کمی نہیں ہوتی ورنہ ایسی غضب کی سردی میں چادروں کی چھت سے بنی ہوئی ایسی کوٹھڑی تو برف خانہ بن کر نہ رہ جاتی مگر یہاں انہیں اتنی مقدار میں کوئلہ مل جاتا کہ یخ بستہ رات صبح

کرتے۔

جانو نے ہاتھ تاپے تھکن کچھ کم ہوئی مگر آنکھوں کی جلن میں کمی نہیں آئی۔ اسٹوو کے قریب رکھے ہوئے لوٹے سے نیم گرم پانی اوکھ بھر کر چہرہ دھویا گرد و غبار صاف کیا اسٹوو کی آگ اب کچھ دھیمی پڑنے لگی تھی پالے سے وہ پہلے ہی پریشان ہو رہا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر ایک ہاتھ سے اسٹوو کا ڈھکنا اٹھایا دوسرے ہاتھ سے کوئلے کے دو ایک موٹے موٹے ٹکڑے ڈال دیئے گرم ڈھکنا بند کرنے لگا تھا کہ وہ سلاخ سے پھسل کر جانو کے کرتے پر آن گرا۔ ڈھکنے کے گرتے ہی کرتے کا وہ حصہ جل اٹھا' دھواں سا اٹھا۔ جانو نے گھبرا کر اس مصیبت کو ٹالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تاکہ کرتہ بچ جائے دایاں ہاتھ بری طرح جل گیا' واہ ری قسمت واہ! یہاں بھی آ کر مجھے ڈھونڈھ نکالا۔ یہی ایک تو تھی جوڑی کپڑوں کی جو ذرا پہننے جیسی تھی یہ بھی آگ کی نذر ہو گئی۔ جانو نے دل میں سوچا' دوسرے پہناوے تو پیوند در پیوند تھے کپڑوں کی یہ جوڑی یوسف کی ماں نے تقریبات کے خیال سے بنوا کر حفاظت سے رکھی تھی اب یہ بھی ہم چشموں میں بیٹھنے کے قابل نہ رہی کہ پہن کر جھوٹی شان دکھا سکوں۔ تنخواہ ہی کیا ہے مر مر کر جینے کا ذریعہ اس سے تو دو وقت کی روٹی کا گذارہ بھی نہیں ہوتا۔ غارت ہو دوپہر سے اس سرد اور یخ بستہ ہوا کا چلنا۔ بیچاری یوسف کی ماں بھی کیا کرتی تن کے کپڑے ابھی سوکھے بھی نہ تھے کہ ہوا اور بوندا باندی نے ساری محنت پر پانی پھیر دیا ورنہ بیچاری آج کپڑے نہ دھوتی' بھلے سے رہ جاتے پھر کسی دن دھل سکتے تھے۔ مجھ پر یہ بپتا نہ پڑتی۔ غموں نے جانو کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اتنے میں گڑ بڑا کر اٹھا کہ ایک اور ٹرین آنے کو تھی۔ گھڑی دیکھی' واقعی ٹرین کا وقت ہو رہا تھا۔

جانو نے ایک بار پھر کرتے پر نظر دوڑائی کرتے کا دامن جلنے سے داغدار ہو چکا تھا' اس کا دل اس پر بہت ملول ہوا۔ ہائے زندگی! وائے غربت' میری ہنستی مسکراتی زندگی غموں کی بھینٹ چڑھا دی پہلے سے غم کیا کم تھے کہ ان میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ مشکل سے پار سال عید کے موقع پر یہ کپڑوں کی جوڑی بنوائی تھی۔ بزاز کے قرض کی کچھ رقم چکانی ابھی باقی ہے آٹھ نو مہینے گزر چکے ہیں مگر بزاز کو ابھی تک قرض کی پوری رقم ادا نہیں ہو سکی۔ وہ سوچنے لگا خدا! اس منگائی کو غارت کرے اب تو کسی چیز کا خریدنا اور بنوانا بجائے خود کہ زندہ رہنا بھی منگا پڑنے لگا ہے۔ ہم سے تو اب چوپائے ہی بھلے ہیں کہ گھاس جھاڑیاں کھاتے ہیں ہم تو اس سے بھی گئے وہ دن ہوا ہوئے انسانوں کی منڈیاں ہوتیں

دوسرے کھینچتا زور لگاتا لا رہا ہے۔ انسان ان کو خریدا کرتے اور جانوروں کی طرح ان سے کام لیا جاتا۔ ہا ہا ہا۔ انسان بھی کیا چیز ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کی بولی لگاتا ہے خرید و فروخت ہوتی ہے۔ خریدار اسے اپنا غلام اور خادم بنا کر دنیا کی ہر برائی میں اسے ڈبو دیتا ہے۔ ہم بھی اس دور میں چند ایک انسانوں کی غلامی میں آئے ہوئے ہیں۔ چند سکوں کے عوض ہم نے خود کو بیچ ڈالا ہے۔ جانو تیز ہوا میں خیالات کے گھوڑے پر بگٹٹ دوڑ رہا تھا۔ باہر ہوا کی غصیلی پھنکار اور جانو کے دماغ میں خیالوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ وقت کا احساس نہیں ہو رہا تھا اچانک گھڑی کی گھنٹی چیخ اٹھی۔

جانو لڑکھڑا سا گیا ایسا لگا جیسے وہ آسمان سے زمین پر آ کر گرا ہے۔ وہیں سے ہاتھ بڑھا کر گھڑی کے الارم کی سوئیاں آنے والی دوسری ٹرین کے وقت کے مطابق گھما ڈالیں تاکہ ٹرین آنے کا وقت بھول نہ جائے۔ اتنے میں ریلوے اسٹیشن سے بھی ٹرین کی آمد کی ایڈوائس پہنچی۔ جانو نے ایک بار پھر سے پھٹی پرانی چادر اوڑھ لی تاکہ ہوا اسے اڑا کر نہ لے جائے۔ سرخ اور سبز رنگ والی شیشوں کی بتی لے کر وہ پٹڑی بدلنے کے لئے کانٹے کی جانب دوڑ پڑا دور سے آتی ہوئی ریل کی آواز پہاڑوں اور چٹانوں سے ٹکرا کر گونج پیدا کرتی ہوئی اس تک پہنچ رہی تھی۔ اس مرتبہ کسی گڈس ٹرین کے آنے کی باری تھی جانو نے جب اس پرشور ہوا میں ریل کی آواز پر کان لگائے تو اسے اندازہ ہوا کہ انجن ایک لمبی چوڑی ڈبوں کی قطار کھینچتا زور لگاتا آ رہا ہے۔ جانو کانٹے کے پاس پہنچا ایک محفوظ مقام پر بتی رکھی تاکہ ہوا کے تھپیڑوں سے الٹ کر بجھ نہ جائے۔ ہوا اب اپنے ساتھ برف کے گھالے بھی اڑا رہی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر جب جانو نے کانٹے کو چھوا تو سردی سے اسے جھرجھری سے آ گئی کانٹے کا لوہا جیسے ڈس رہا تھا۔ جلد ہی ہاتھ ہٹا کر لوہے کو اپنے چادر سے لپیٹ کر کئی ایک جھٹکے دیئے اور پٹڑی بدل ڈالی۔ گڈس ٹرین کو خاصی دیر تک اس اسٹیشن پر رکنا تھا تاکہ مسافر گاڑی کراس کرتی ہوئی آگے بڑھ جائے۔ جانو کے ہاتھ ٹھٹھر کر رہ گئے۔ مارے سردی کے کپکپی سے جسم سے جان نکل رہی تھی مرتا کیا نہ کرتا اسے بہر صورت پلیٹ فارم تک پہنچنا تھا۔ ٹرین سگنل کے قریب پہنچنے ہی کو تھی۔ جانو نے اپنے پیروں کو مہمیز دیتے ہوئے بتی ہاتھ میں لے کر دوڑ لگائی۔ سرد ہوا اور برف نے تو اس کے جسم سے ساری توانائی کھینچ کر نکال لی تھی۔ ساری قوت سلب ہو رہی تھی۔ بمشکل ہی جان لڑا کر اس نے خود کو اس جگہ لا پہنچایا جہاں سے ٹرین کو بتی کا ہرا شیشہ دکھانا تھا۔ جونہی سگنل کی گردن نیچے ڈھلک گئی جانو نے بتی کا ہرا شیشہ آئی ہوئی ٹرین کی جانب پھیر دیا

اور انجن نے اپنی چک چک میں اضافہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ لمبی ٹرین رینگتی ہوئی اسٹیشن پر آکر ٹھہری جانو نے وہیں سے ٹھہرے ہوئے انجن کے ڈرائیور اور فائرمین پر نظر ڈالی جسم کو چھیدنے والی سرد ہوا نے ان کو بھی اپنے چہرے لپٹنے پر مجبور کر دیا تھا صرف ان کی آنکھیں چہرے پر ٹمٹماتی نظر آ رہی تھیں جانو نے ایک مرتبہ پھر دوڑ لگائی اور خود کو اپنے ہٹ میں پایا۔ ہوا کی شدت اسی طرح برقرار تھی۔ پھنکارتی شائیں شائیں کرتی ہوا اب جیسے پہلے سے بھی زور سے چلنے لگی تھی۔ جانو کو چائے کی ایک پیالی کی طلب ہو رہی تھی مگر چائے بنانے کی اسے فرصت کب تھی۔ ابھی دوسری طرف سے مسافر گاڑی جلد ہی پہنچنے کو تھی۔ وہ بھلا کیا کرتا آج اس کا دوسرا ساتھی شامو بھی نہیں آیا تھا۔ دل میں سوچنے لگا خدا کرے اس کا بیٹا بھلا چنگا ہو۔ اللہ نہ کرے نمونیہ میں مبتلا نہ ہو کل تو اس بیچارے پر آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ یہی ایک تو بیٹا ہے بیچارے کا بہت سی منتوں اور پیروں کے در سے مانگا ہوا۔ شادی کے بعد ایک مدت تک وہ اولاد سے محروم رہا تھا۔ اولاد نہ ہونے کا دکھ اسے بری طرح پچھاڑتا رہا تھا بالوں میں چاندی جھلکنے لگی اب وہ پہلے جیسا شامو کب رہا تھا۔ جوانی میں وہ اتنا بدمست رہتا کہ کسی کو خاطر ہی میں نہ لاتا مگر اب شامو جیسا حال خدا کسی کا بھی نہ کرے ادھ موا ہو رہا ہے۔ بیٹے کی مسلسل بیماری نے اس کا گھر پھونک ڈالا ہے ڈر ہے کسی دن لڑکھڑا کر ایسا نہ گرے کہ پھر اٹھ بھی نہ سکے۔ جانو سوچنے لگا ایک ہی تو رات ہے گذر ہی جائے گی۔ دوست کے لئے اگر میں قربانی نہیں دوں گا تو اور کون اس کا دکھ بانٹ دے گا آسمان سے تو کوئی اتر کر کسی کا دکھ بانٹنے سے رہا۔ پھر غریب کا دکھ تو غریب ہی کے حصے میں آئے گا۔ کسی سے شکوہ بھی کیا کہ اس دور میں ہر شخص اپنے پسینے میں تیر رہا ہے۔

وہ انہی خیالوں میں غلطاں تھا کہ آنے والی مسافر گاڑی کی آمد نے اسے چونکا دیا اچھل کر وہ کھڑا ہوا چادر سے خود کو پوری طرح لپیٹ کر جوتیوں کی طرف متوجہ ہوا جن سے اس کی پیروں کی انگلیاں باہر جھانک رہی تھیں ان نے پیروں سے جوتے نکال کر اسٹوو کے قریب رکھ کر گرم کئے الٹ پلٹ کر اندر سے بھی گرمانے کی کوشش کی وقت تیزی سے گذر رہا تھا جوتے پہن کر ایک بار پھر خود کو ہر طرح سے لپیٹ کر بتی ہاتھ میں لئے وہ باہر آیا۔ جی ہاں ہوا اب تک اسی رفتار سے چل رہی ہے برف گرنے کی رفتار بھی پہلے سے کچھ زیادہ ہی تھی برف کے ہلکے پھلکے گھالے اب بڑے بڑے ٹکڑوں کی صورت میں گر کر زمین کو سفید لباس پہنچا رہے تھے۔ ہٹ سے قدم باہر نکالتے ہی اس کا جوتا برف میں دھنس گیا وہ

سوچنے لگا تھوڑی دیر میں ہی اتنی بڑی برفباری ہوئی ہے۔ ریل کی آمد کا وقت بہت قریب تھا جانو لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اسی جگہ جا پہنچا جہاں سے آنے والی گاڑی کو ہری بتی دکھائی تھی۔ پٹڑی پہلے ہی سے بدل کر کلیئر کر دی گئی تھی۔ ریل نے یہاں ٹھہرنا نہیں تھا لائن کلیئر کی علامت ہری بتی کا اشارہ پا کر آگے نکل جانا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا جہاں پسنجر ٹرینیں لمحے بھر کو رکتیں میل اور ایکسپریس کا سٹاپ نہ تھا۔ ریل اسی سمت سے آ رہی تھی جہاں سے ہوا اور برف کی بوچھاڑ آ رہی تھی۔ جانو کے لئے ہوا اور برف کی بوچھاڑ کے رخ کھڑے ہو کر مقابلہ کرنا ایسا ہی دشوار تھا جیسے ناخوشگوار موسم میں چلتن کی سب سے اونچی چوٹی پر پہنچنا۔ اسی جگہ کھڑے کھڑے جانو پر سوچ کے درندوں نے پھر حملہ کر دیا۔ سوچ معلوم نہیں آج کن اونچی نیچی چٹانوں پر چڑھ اور اتر رہی تھی۔ شامو کے بیٹے کی بیماری۔ کرتے کا جل جانا' اپنی غربت' کس کس دکھ کو نہ سوچتا۔ ایک فکر سے دوسری کا جنم لینا۔ وہ اسی میں ڈوبا جا رہا تھا کہ ریل کی سیٹی اس کے کانوں کو چھیدتی ہوئی نکل گئی۔ اس نے ہری بتی کا رخ آنے والی ریل کی طرف پھیر دیا۔ انجن ڈرائیور انجن کی چیخیں بکھیرتا گھڑگھڑاہٹ اور قوت کا مظاہرہ کراتا پرشور طریقے سے اس اسٹیشن سے ریل کو گزار کر ہوا سے بازی لے جانا چاہتا ہو گا۔ دیر تک ریل کی گھڑگھڑاہٹ کانوں میں گونجتی رہی۔ جانو کو اس وقت ہوش آیا جب اسٹیشن پر کھڑی ہوئی ٹرین کے انجن نے اپنی مرلی بجانی شروع کی۔ جانو ہانپتا ہوا پلیٹ فارم سے کانٹے کی جانب دوڑ پڑا' ٹھہرے ہوئے انجن کو سرخ بتی دکھائی تا کہ سیٹیاں بجاتا ہوا چل نہ دے۔ بڑی ہی مشکل بلکہ مصیبتوں سے ہوا سے لڑتا اور برف میں راستہ بناتا اس جگہ پہنچا جہاں اسے پٹڑی بدل کر لائن کلیئر دینا تھی۔ ایک تو اسے دمہ نے قریب الرگ کر دیا تھا چادر کا کونہ لپیٹ کر اس نے کانٹا بدلنے کے لئے جھٹکا دیا مگر جسم سے جان تو بھاگ دوڑ میں نکل چکی تھی بہت ہاتھ پیر مارے ہانپتے ہوئے اپنی پوری طاقت صرف کی مگر بات نہ بن سکی۔ وہیں کانٹے کے قریب زمین پر بیٹھ کر ستانے لگا ہوا کے رخ سے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا تا کہ پاگل ہوا سے کچھ تو آرام ملے۔ دوسری طرف انجن نے سیٹیوں پر سیٹیاں بجانا شروع کر رکھا تھا۔ ٹرین لیٹ ہونے لگی تھی اسے دوسرے اسٹیشن پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ بالکل اس کے مصداق کہ "بکرے کی جان پر بن آئی ہے اور قصاب گوشت کے لئے بیقرار ہے۔" آج کی رات تو جانو کی جان لینے کی ٹھان چکی تھی۔ ایسی لمبی' تاریک اور خوفناک رات اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا بسم اللہ پڑھ کر کانٹے

کو اپنی ساری توانائی مجتمع کر کے ایک زور دار جھٹکا دیا۔ پٹڑی بدل گئی مگر اتنا زور دار جھٹکا دیتے ہوئے اس شدید سردی اور برفیلے موسم میں بھی جانو کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگا۔ بتی اٹھا کر پلیٹ فارم پر پہنچ کر ٹرین کو ہری بتی دکھائی ٹرین کا انجن سیٹیاں بجاتا گھڑگھڑاتا اپنی منزل کی طرف چلا۔ جانو لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے ہٹ میں آن پہنچا۔

جانو ہٹ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ کوٹھڑی کے سامنے ہی ٹھوکر کھائی اور برآمدے کے ستون کو تھام لیا۔ آج کی رات واقع اس پر بہت بھاری تھی۔ سردیوں اور تیز ہوا کی ایسی راتوں میں اس کا دمہ بھی زوروں پر ہوتا۔ چلنے پھرنے کانٹا بدلنے کی محنت سے گویا وہ سات سمندر تیر کر نکلا۔ ہٹ میں داخل ہو کر کچھ دیر بیٹھ کر ستاتا رہا۔ اسٹوو میں کوئلے اب بجھنے کو تھے اس مرتبہ اسٹوو کا ڈھکنا بڑی احتیاط سے اٹھا کر ایک طرف دھر دیا۔ جلے ہوئی ہاتھ کے آبلے اب انگاروں کی طرح جل رہے تھے دوسرے ہاتھ سے اس بیچارے نے کوئلے کے چند ٹکڑے اسٹوو میں ڈالے پھر اسی احتیاط سے ڈھکنا اسٹوو کے سلاخ کے ساتھ اٹھا کر اسٹوو کا منہ بند کر دیا اسٹوو تیزی سے بھڑکنے لگا اور پتھر کے کوئلے پٹاخے چھوڑتے ہوئے جل رہے تھے۔ اسٹوو جو بجھنے کے قریب تھا پھر سے سرخ انگاروں میں بدل گیا۔ سفید اور کالا دھواں چمنی سے اٹھ کر فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔ جانو یہ دھواں بار ہا دیکھ چکا تھا مگر آج اسے بہت بھلا لگ رہا تھا اسے اپنی زندگی کی بیچارگی پر رحم آنے لگا اس کی حیات بھی دنیا کے اس بہت بڑے اسٹوو میں جل کر اسی طرح دھوئیں میں تبدیل ہو رہی ہے۔ فرق ہے تو بس اسی قدر کہ یہ اسٹوو زمین کی کوکھ سے نکالے گئے کوئلے سے جلتا ہے جب کہ ہمیں دنیا کے دوزخ نما اسٹوو میں دولتمند جلایا کرتے ہیں۔ ہم صدیوں سے ان کے بھڑکاتے ہوئے اسٹوو میں جلتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں کب تک اسی طرح جلتے رہیں گے۔ ہمارا مسلسل جلنا ان ظالموں کے جسم کے لئے اب تک حدت کی حد کو نہیں پہنچا اس لئے کہ یہ تو برف کے بہت بڑے بڑے تودے ہیں جن کو قیامت کے دن حق تعالیٰ اپنی دہشت کی بھٹی میں پگھلائے گا یا پھر کمزور اور بے بس انسانوں کے لہو میں ایسا ابال آئے گا اور ان کو خس و خاشاک کی طرح نابود کر کے بہا لے جائے گا۔

اسٹوو کی گرمی پا کر جانو کے دمہ کی تکلیف کچھ کم ہوئی اور ہوش ٹھکانے لگا۔ اپنی چھوٹی سی کیتلی اٹھا کر وہیں ہٹ میں رکھی ہوئی پانی کی بالٹی سے ایک گلاس پانی ڈال کر اسٹوو پر رکھ دی۔ اسٹوو کی گرمی

سے جسم بھی کچھ گرما گیا تھا۔ چادر کندھوں سے اتار کر پیروں تلے بچھائی جیبیں ٹٹول کر اپنے دمہ کی گولیوں کی ڈبیا نکال کر ایک گولی ہاتھ سے مسل کر منہ میں ڈال کر چوسنے لگا۔ آنے والی ٹرین کا ابھی خاصا وقت تھا اس لئے جانو اطمینان سے دمہ کی تکلیف کا علاج کرنے لگا۔ ہوا پہلے کی طرح فرانے بھر رہی تھی پہاڑوں کے اس درے میں تو یہ برفیلی ہوا اور ہی تماشے مچا رہی تھی یہاں پہاڑوں کی دشوار گزاری اور درہ بولان کی تنگی اس کے غصے کو بڑھا رہا تھی۔ رات کے دوسرے پہر میں ہوا کی شدت اتنی بڑھ چلی تھی جیسے وہ ان پہاڑوں کو اپنی جگہ سے سرکا کر راہیں اور کشادہ کرنا چاہتی ہے۔ اپنے اس نصب العین کی اس نے قسم کھا رکھی ہے۔ برفباری بھی اسی طرح جاری تھی جانو کی کوٹھڑی سے جہاں تک نگاہ کی عملداری تھی برف سے ہر چیز ڈھکی ہوئی تھی۔

جانو ایک بار اپنی جگہ سے اٹھا تاکہ گرد و پیش کا جائزہ لے سکے مگر دروازے کا پٹ کھول کر اسے کچھ بھی نہ نظر آ سکا آسمان سے برف کے گھالے ٹڈی دل کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ گڈس ٹرین کی چڑھائی چڑھتی ہوئی قوت صرف کرنے اور شور مچانے سے یہ اندازہ ہوتا کہ وہ اپنی مقدور سے بڑھ کر ڈبے کھینچنے سے غیض و غضب میں ہے۔ جب کہ پٹڑی پر برف گرنے سے بھی اسے معمول کے خلاف زور لگانا پڑ رہا تھا۔ پہاڑوں میں انجن کی پھنکار ہوا کی آواز سے مل کر گونج پیدا کر رہی تھی اس گونج سے دلوں میں ایک خوف سا پیدا ہوتا رات کی تاریکی میں یہ خوفناک آواز دلوں کو دہلائے دیتی تھی۔

جانو دمہ کی تکلیف کی وجہ سے پہلے ہی ادھ موا ہو رہا تھا۔ آج کی تیز اور سرد ہوا نے تو اس کی ہستی کو اور بھی جھنجوڑ ڈالا تھا۔ دروازے کا پٹ بند کر کے وہ اسٹوو کے قریب بیٹھا' کیتلی کا ڈھکنا کھول کر چائے کی چند پتیاں اور اتار کر دم دینے لگا تاکہ رنگ نکھر سکے گڑ کی ایک چھوٹی سی ڈلی منہ میں رکھ کر چائے کی پیالی سے چسکیاں لینے لگا' واہ بھئی واہ چائے کا رنگ تو سرخ کپڑے کی طرح نکھر آیا ہے اور ذائقہ بھی خوب ہے۔ دل ہی دل میں وہ اپنی تعریف کرنے لگا۔ بلا شبہ ایسی چائے تو اسے سالگ رات میں بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ واہ یہ ہے چائے۔ یوسف کی امی بھی چائے بنانے کی مدعی ہے۔ یہ چائے پی لیتیں تو اپنے ہونٹ ہی چبا جاتیں۔

باب دوئم

سبزل خان اگرچہ اپنے علاقے کا میر اور سربر آوردہ کہلاتا تھا مگر اصل میں گاؤں کا معتبر اس کا ایک اور چچیرہ بھائی تھا۔ البتہ سب لوگ سبزل خان کو ایک بھلے مانس سمجھ کر اس کی خوبیوں کے معترف تھے۔ قریب و جوار اپنے معاملات سلجھانے کے لئے سبزل خان کے پاس ہی آتے۔ گویہ کہ ہر گاؤں کا ایک بڑا بوڑھا ہوا کرتا ہے۔ مگر لوگوں کا رجوع اکثر و بیشتر سبزل خان ہی کی طرف تھا۔ یہ بیچارہ ان سے کہتا آپ کا آنا میری سر آنکھوں پر مگر آپ کے اپنے کمیہ اور معتبر اسے ناپسند کریں گے۔ مناسب یہی ہے کہ اپنے معاملات انہی سے حل کرائیں مگر یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ پاؤں اسی جانب اٹھتے ہیں دل جس طرف راہنمائی کرے۔ گاؤں کے سادہ دل دیہاتی علاقے بھر میں سبزل خان کو ہی اپنا مخلص اور خیر خواہ سمجھتے کہ وہ کسی کی طرف داری نہ کرتا بلکہ حق اندیش شخص تھا چاہے کوئی مالدار تھا یا مفلس' اپنے حلقہ اثر میں معتبر یا بے نوا وہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا تھا۔ لوگوں کو اس کی یہ عادت بھا گئی تھی کہ اسے کسی طرح کی لالچ بہکا نہ سکتی۔ اس کا دستر خوان سب کے لئے تھا لوگ اپنے کام سے آتے مگر کھاتے اس کے دستر خواں پر۔ اگر کوئی اس کے لئے کسی قسم کا تحفہ لاتا سبزل خان ناپسندگی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے خفا ہو جاتا بلکہ ایسے آدمی کے لئے کوئی کام نہ کرتا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں پہلے سے بہت گناہگار ہوں مجھے اور زیادہ گناہگار کیوں کرتے ہیں۔ آپ اگر مجھے رشوت پیش کر رہے ہیں تو میں رشوت سے متنفر ہوں۔ خدا نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔ تحفہ لینے والے اس قرب جوار میں بہت سے ہوں گے انہیں تحفے پیش کریں وہ آپ کا کام کریں گے۔ میں تحفے تحائف لے کر انصاف کا پلڑا آپ کی طرف جھکا نہیں سکتا۔

ان خصوصیات کے باعث عام لوگ سبزل خان کو اچھی نظر سے دیکھتے۔ یہ لوگ اپنے اپنے گاؤں کے معتبرین کے پاس اس لئے بھی نہیں جایا کرتے کہ وہ ان کے تحائف کو ایک طرف سے تولتے جس کا تحفہ بھاری یا قیمتی ہوتا انصاف کے ترازو کا پلڑا اسی کی طرف جھک جاتا کسی میں اگر تحفہ پیش کرنے کا مقدور نہ ہوتا تو یہ فیصلہ کرنے والے اس پر اتنا ہرجانہ ڈالتے کہ اس کے وزن سے سائل کی کمر جھک جاتی۔ اسی پر اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ گاؤں کا معتبر یا سربرآوردہ اپنی فیس الگ سے لیتا جو چالیس فیصد کے لگ بھگ ہوتی۔ ملک صاحب اپنی ایسی فیس فیصلے کے فورا بعد وصول کیا کرتا۔ اس کی بیٹھک میں جاتے ہوئے لوگ ڈرتے جہاں ملک صاحب بچھونوں پر براجمان ہوتے۔ آنے والے غریب غربا اپنے جوتے اتار کر ایک طرف بیٹھا کرتے دور ہی سے ملک صاحب ان سے چند باتیں کہہ دیتا نہ ان سے مصافحہ کیا جاتا نہ ہی ان سے تفصیلی "حال و احوال" کرتا۔ زیادہ تر گھر کیوں ڈانٹ پھٹکار کرتا پوری بات سننے کا روادار نہ ہوتا۔ آنے والے سائل بیچارہ اس سلوک سے گھبرا کر اپنی پوری روئیدار بھول جاتا یہاں یہ ناروا اسے آنکھیں دکھاتا ڈانٹ ڈپٹ یا برا بھلا کہہ کر خاموش کر دیتا۔

یہی سبب تھا کہ سبزل خان گرگ خصلت میر اور معتبروں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکتا رہتا' اسے ناپسند کیا جاتا بلکہ موقع کی تاک میں رہتے تاکہ اس سے نپٹ سکیں مگر لوگوں سے بھی خوفزدہ تھے اس لئے کہ لوگوں میں وہ مقبول تھا ہر چند کہ وہ لوگوں پر زور دیا کرتا کہ اپنے معاملات اپنے میر اور معتبرین کے پاس لے جا کر پیش کریں۔ مگر لوگ تھے کہ اس کی طرف دوڑے چلے آتے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا نام ہر طرف گونجنے لگا۔ قریب اور دور کے دیہات سے لوگ اس کے پاس پہنچتے رہے۔ میر اور معتبرین کی آمدنی رک کر رہ گئی اور وہ اس کی جان کے درپے ہو گئے وہ موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی نہ کسی طور پر اسے چت کریں کہ اس شریف آدمی نے تو ہماری ساکھ بری طرح تباہ کر ڈالی ہے لوگ جوق در جوق اس کی جانب کھنچے جا رہے ہیں۔ کچھ معتبرین نے تو اسے یہ تک کہلا بھیجا کہ آپ ہمارے لوگوں کے معاملات میں دخل دینے سے باز آ جائیں ورنہ یہ آپ کے لئے نقصان ہو گا۔ یہ بجا ہے کہ پیغام رساں پیغام کرنے والوں کا نام ظاہر نہ کرتے مگر پیغام میں چھپا ہوا راز خود اس نام کا پتہ دیتا کہ کس کا پیغام ہے۔ سبزل خان اس کے جواب میں عموما یہی کہلواتا کہ بھائی میں ان لوگوں کو ہرگز ہرگز نہیں بلاتا خود ہی چلے آتے ہیں۔ آپ انہیں روک لیں اب یہ تو ممکن نہیں کہ جو لوگ کسی امید سے میرے پاس آ جاتے ہیں

میں ان کو مایوس کر کے لوٹا دوں۔ مجھے تو ان سے کسی داد و دہش کی تمنا نہیں صرف اپنے خدا کی خوشنودی مطلوب ہے میں ریاکاری اور جانبداری کا قائل نہیں ہوں نہ دولت کی طلب ہے نہ نام و نمود کی خواہش بلکہ ان کے معاملات سلجھانے تک ان کو میں اپنا مہمان سمجھ کر جو کچھ مجھے حاصل ہے ان کو بھی اس میں شریک کرتا ہوں کبھی تو ایسے کاموں میں کچھ دن بھی لگ جاتے ہیں ان کے اخراجات کی بھی کفالت کرنی پڑتی ہے وہ لوگ میرے پاس اگر آنا ترک کر دیں تو مجھ پر غیر ضروری اخراجات کا بار بھی کم ہو گا۔ خدا نے مجھے مال اور رزق بافراط بخشا ہے کہ میں اسے نیک کاموں میں صرف کرتا ہوں میں بہت خوش ہوتا ہوں اگر کسی انسان کا کام میرے ہاتھوں تکمیل کو پہنچتا ہے۔ پیغام رساں بھی خوب سمجھتے تھے کہ سنزل خان یہ سارے کام فی سبیل اللہ کر رہا ہے۔ نہایت بے لوث اور مخلص شخص ہے ورنہ جس طرح میر اور معتبرین کے پاس کوئی نہیں پھٹکتا اس کے ہاں بھی کوئی نہ آتا۔

باب سوئم

ہٹ کی کھڑکی سے ایک بار پھر جانو خان نے باہر جھانک کر دیکھا' سوائے برف کی سفید چادر کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ تاہم جاتی ہوئی ریل جس میں مال گاڑی لگی ہوئی تھی اب تک اس کی آواز آ رہی تھی۔ ہوا کے شور میں کبھی کبھی یہ آواز دب جاتی کبھی بمشکل سنائی دے جاتی۔ جانو اپنی جگہ جا بیٹھا آج کی رات گاڑیاں گزرانی ہیں ساری ساری رات ہٹ سے باہر بتی لے کر پھرنا اور کانٹا بدلنا ہو گا۔ رات کے وقت اس اسٹیشن پر ویسے بھی کوئی نہیں ہوتا آج تو سنسانی اور خاموشی کا راج تھا۔ ایک طرف ہوا اپنی پوری طاقت اور رفتار سے چل رہی تھی اور برف کی تہیں بچھا رہی تھی جب کہ دوسری طرف جانو خان باوجود اپنی بیماری کے ان مصائب کے مقابلے میں کمر کس چکا تھا۔ اسے خیال آ رہا تھا کہ بلاشبہ انسان بہت بڑی بلا ہے' مجھے ہی دیکھ لو! اس گہری تاریک اور خوفناک رات میں' اس بے پناہ سردی میں طرح طرح کی مصیبتوں کا مقابلہ سینہ سپر ہو کر کر رہا ہوں۔ خدا نے انسان میں کیسی خوبیاں و دیعت کر رکھی ہیں جب اپنی ان قوتوں کا مظاہرہ کرنے پر آتا ہے تو پہاڑوں کی بلندی کو ہمرنگ زمین کر دیتا ہے سمندر کی چھاتی پر بیٹھ کر دور اور نزدیک کی خبر لاتا ہے۔ زمین کے اندر داخل ہو کر اس کی کوکھ سے حیات انسانی کے لئے وسائل فراہم کرتا ہے کانوں سے لال و جواہر' کوئلہ' تیل اور طرح طرح کی معدنیات حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور آسمان کی بلندیوں کی تسخیر' چاند ستاروں پر کمندیں ڈالنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اپنے مفادات کے پیش نظر انسان نے زمین کا چپہ چپہ چھان ڈالا ہے۔ زندگی کے لئے فطرت کی عطا کردہ نعمتوں سے کام لینا جانتا ہے۔ آج کے انسان نے انسانی سود و بہبود کے لئے اس وسیع و عریض

کائنات کی پردہ کشائی کے لئے بہت کام کیا ہے تاہم ایک کام ابھی تکمیل طلب ہے وہ کام ہے انسانوں کے درمیان برابری۔ مساوات --- اس خیال کے آتے ہی جانو کے لبوں پر مسکراہٹ آئی۔ انسان کے درمیان برابری۔ یہ کیا انوکھا خیال اس کے ذہن میں آیا ہے۔ انسان بھی کبھی سب برابر ہوتے ہیں۔ ایک گڈریا' ایک مزدور' ایک کسان کا بیٹا کبھی دولت مند کے بیٹے کے برابر ہو سکا ہے۔ آقا اور ہاری کبھی بھی ایک خوان پر اکٹھے بیٹھ کر نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوئے ہیں۔ جانو کو ایک بار پھر اپنے ان خیالات پر تعجب ہونے لگا۔ دل نے کہا' واہ جانو! تم بھی اب آقاؤں کے دوش بدوش اپنا گھوڑا ڈالنا چاہتے ہو۔ آقا تو مالک ہوتا ہے۔ غلام اور ہاری جتنی بلندیوں کو چھونے لگے اسے بہرحال وہی کچھ کرنا ہے جو اس کے باپ' دادا ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔۔

جو چھوٹا ہے تحقیق چھوٹا رہے گا
بڑے ہی کے مقسوم میں ہے بڑائی

یہ کاوہ ہے باغی ابوذر فسادی
یہ مزدک ہے کافر یہ لینن قصائی

وہ سوچنے لگا دنیا کے کسی کونے میں ضرور کوئی جگہ ایسی ہو گی جہاں گڈریا کا بیٹا خود کو اپنے آبائی نکبت کی زنجیروں سے رہا کرا چکا ہو۔ لیکن ہمارے لئے تو چوپانی اور ہاری کی غلامانہ زندگی دوامی ہے۔ ہمارے آقا ہمیں یہی بتاتے ہیں کہ یہ کام ہم نہیں کریں گے تو اور کون آ کر کرے گا اور پھر تم یہ نہیں کروے گے بھلا اور کیا کرو گے۔ کیا کھاؤ گے۔ وہ کہتے ہیں تم خواہ کتنی ہی بلندیوں پر پرواز کرو تمہاری راہیں کھوئی جا چکی ہیں تمہاری راہ بس یہی ایک رہ گئی ہے اور خاموشی سے اسی راہ پر چلتے چلتے جاؤ ورنہ تم اس طرح کھو جاؤ گے کہ کوئی تمہارا پتہ بھی نہیں بتا سکے گا۔ اس خیال کے آتے ہی جانو خان کانپ کر رہ گیا دل پر مایوسیوں کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا دروازے کی درواز سے باہر کا منظر دیکھنے لگا ہر طرف گہری تاریکی کا راج تھا۔ یخ بستہ ہوا اس کے چہرے سے اس طرح ٹکرائی جیسے کسی نے ٹھنڈے پانی سے بھری بالٹی الٹ دی ہو۔ اس نے زور سے دروازہ کو دھکا دیا تاکہ ہوا کا راستہ رک جائے اسٹوو میں جلتے ہوئے کوئلوں کی تاب جاتی رہی تھی۔ اب وہ بجھنے کو تھے جانو نے ایک بار پھر ڈھکنا اٹھا کر

چند ٹکڑے کوئلے کے ڈال دیئے اور ڈھکنا بند کر کے بیٹھ رہا کوئلہ پڑتے ہی اسٹوو میں پھر سے جان آ گئی اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں گزرے ہوئے خیالات بھی تازہ ہونے لگے۔ شامو کی زندگی آئینے کی طرح آنکھوں میں پھر گئی۔

باب چہارم

اب سے اٹھارہ سال پہلے شامو کا بیاہ ہوا تھا۔ اس کے اپنے ایک چچا نے اپنی بیٹی کا رشتہ دیا تھا ان کی زندگی ایک بہت بڑے عرصے تک نہایت خوشی اور خرمی سے گزرتی رہی مگر بیوی کی گود خالی رہی۔ بہت دوا دارو اور جتن کئے۔ کافی بھاگ دوڑ کی ڈاکٹروں حکیموں کا علاج کرایا عالموں اور پیروں فقیروں کے در پہ دستک دی اپنا سارا اثاثہ نذر نیاز کی بھینٹ چڑھا کر بھی آرزو کی کلی نہ کھل سکی۔ پیروں فقیروں کے ہاتھوں لٹ پٹ کر بالآخر میاں بیوی کو صبر آ گیا۔ اولاد بہرحال خدا کی دین ہے اس کی رضا ہوئی تو شکر ورنہ گلہ کس کا۔ جس میں خالق کی رضا اسی میں ہم سب کا بھلا اولاد کے لئے پھانسی چڑھنے سے تو رہے۔ اللہ کا در بہت بڑا ہے بندہ ہمیشہ مالک کے در سے امیدوار ہے ناامید صرف شیطان ہے۔

بہت دنوں کی بات ہے اس اسٹیشن کے قریب سڑک پر ایک موٹر کار میں خرابی پیدا ہوئی تھی موٹر کو دھکا لگا کر سڑک کی ایک جانب روکنا تھا۔ ڈرائیور اپنا تھا تاہم گاڑی میں بیٹھا ہوا شخص کوئی بڑا آدمی لگتا تھا۔ ڈرائیور کی یہ مجال کب تھی کہ وہ مالک سے موٹر کو دھکا لگانے کا کہہ سکتا۔ ڈرائیور نے ادھر ادھر دیکھا اسی لمحے شامو وہاں سے گزر کر اپنے گھر جا رہا تھا۔ ڈرائیور کا اشارہ پا کر شامو اس کی جانب یہ سوچ کر آیا کہ دیکھوں بھلا کون ہے اور کس لئے اشارے کر رہا ہے قریب پہنچا تو ڈرائیور نے درخواست کی میرے بھائی ذرا میری مدد کر کے موٹر کو ایک دھکا لگائیے تاکہ اسے ایک طرف کھڑا کیا جا سکے۔ شامو ان دنوں خوب موٹا تازہ ہو رہا تھا۔ اپنی چادر ایک کنارے رکھ کر ڈرائیور سے بولا میرے بھائی آپ گاڑی میں بیٹھیں میں خود اس کے لئے کافی ہوں۔ ڈرائیور کو اس کی بات کا یقین تو نہیں آیا مگر شامو کو خدا نے

بڑی جسمانی طاقت سے نوازا تھا وہ اکیلا ہی موٹر سے جت گیا اور دھکیل کر ایک جانب کھڑا کر دیا۔ سورج اب چڑھ آیا تھا شامو نے ڈرائیور سے کہا اگر کوئی اور خدمت ہو تو مجھے حکم دیجئے۔ وہ شخص شامو جسے بڑا آدمی سمجھ رہا تھا کہنے لگا بھائی آپ کی بڑی مہربانی' اب آپ جایئے کامیابی آپ کے ہم عناں ہو۔ شامو اپنے گھر پہنچا گھر آ کر بیوی سے کہا۔ نیک بخت ایک دو پیالی سبز چائے بنائیں دو ایک الائچی ڈالدیں باہر کچھ مہمان آئے ہوئے اس سگھڑ خاتون نے فوراً" ہی چائے تیار کر لی۔ شامو یہ چائے لے کر ان نووارد مہمانوں کے لئے لے گیا جن کی گاڑی سڑک کناری بگڑی کھڑی تھی۔ جب ان لوگوں نے اسے چائے لاتے ہوئے دیکھا تو بہت خوش اور ممنون ہوئے کہ اس نیک میزبان نے ان کی ان پہاڑوں میں یہ خاطر تواضع کی ہے۔ مہمانوں نے چائے پی اتنے میں ان کی موٹر بھی ٹھیک ہو گئی۔ چائے پیتے ہوئے باتوں باتوں میں موٹر کے مالک نے شامو سے پوچھا اس کے کتنے بچے ہیں شامو نے دکھ بھرے لہجے میں انہیں ساری کہانی سنا ڈالی۔ اس شخص نے اپنے سوٹ کیس کھول چند گولیاں شامو کو دیتے ہوئی کہا یہ گولیاں اپنی بیوی کو کھلا دیجئے بعد میں اسے میرے پاس لے آیئے تاکہ مناسب علاج کیا جا سکے۔ ڈرائیور نے شامو کو بتایا کہ اس کا صاحب ایک بہت بڑا ڈاکٹر ہے جو اپنے کام میں بہت ماہر ہے۔ شامو نے ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق عمل کیا خدا تعالٰی نے ان کی اولاد کی تمنا پوری کر دی مدتوں کی تمنا کے بعد شامو کی بیوی کی گود ہری ہو گئی وہ بیٹا پا کر خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ اب یہ لڑکا سال سوا سال کا ہے ماں باپ اسے دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں۔ خدا اس کے بیٹے کو صحت دے ورنہ شامو کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ بیٹے کی بیماری سے وہ کافی گھبرایا ہوا ہے۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں بیوی بھی اولاد کے غم میں ادھیڑ ہو کر رہ گئی ہے۔ کتنے ہی دکھوں نے اسے گھیر کر بری طرح نڈھال کر رکھا ہے۔

باب پنجم

ہٹ میں رکھی ہوئی گھڑی کی سوئیاں جب آدھی رات کا پہر بتانے کو آئیں تو گھڑی کا الارم چیخ اٹھا۔ جانو جیسے نیند سے ہڑبڑا کر جاگا ہو۔ گھڑی کی طرف دیکھنے لگا رات کے بارہ بجے رہے تھے۔ گویا اب ایک اور کٹھن گزرنے والی تھی۔ گھڑی اٹھا کر اس میں چابی بھری۔ یہ ان کا معمول تھا کہ ہمیشہ رات کو اسی وقت گھڑی میں چابی بھرتے تاکہ آنے والی رات کو اسی وقت تک گھڑی کی ٹک ٹک جاری رہے اور وقت کو ظاہر کرنے والی سوئیاں متحرک رہیں۔ اس کے بعد اسٹوو میں چند ٹکڑے کوئلے کے ڈالے تاکہ کوٹھڑی خوب گرم رہے۔ وہ سوچنے لگا آج کی رات تو اسٹوو گرم رکھنے اور کوئلہ جلانے کی ہے۔ آگ انسان نے اسی لئے تو دریافت کی ہو گی کہ ایسی شدید سردیوں میں اس کی حفاظت کرے اب اسے احساس ہونے لگا کہ آنے والی گاڑی بس پہنچنے ہی والی ہے۔ چادر کی طرف ہاتھ بڑھایا' جیکٹ کے بٹن اچھی طرح سے بند کئے چادر اچھی طرح سے لپیٹ لی' بتی میں مٹی کا تیل بھرنے کے بعد باہر نکلا۔ باہر حالت جوں کی توں تھی ہوا کا زور اسی طرح تھا۔ البتہ برف باری میں کسی قدر کمی آ چکی تھی تاہم زمین برف سے لدی ہوئی تھی پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ ہر قدم نہایت احتیاط سے رکھ رہا تھا ایسا نہ ہو کہ پھسل کر ہڈی پسلی ٹوٹے۔ اس بار اسے قریب ہی پنسڑی بدل کر لائن کلیئر دے کر ہری بتی دکھانا تھی۔ دمہ کی تکلیف دوا کے استعمال کی وجہ سے اب روبہ افاقہ تھا۔ اب بھی سانس گھٹ گھٹ جاتی مگر ایسے نہیں جیسے کچھ دیر پہلے دورہ پڑا تھا۔ دوسری مرتبہ کانٹا کھینچا تو ایسے لگا تھا جیسے کسی پہاڑ کی چوٹی کو سر کر رہا ہو۔ اس موقع پر اسے یہ ڈر لگ رہا تھا کہ وہ کانٹا کھینچنے میں ناکام ہو کر وہیں پر جان سے جائے گا۔

کانٹا کھینچے لائن کلیئر کرنے کے بعد جانو وہاں آ کر ٹھہرا جہاں اس کا ٹھہرنا ضروری تھا۔ بتی اپنے قریب رکھ کر خود بھی سمٹ کر بیٹھ گیا ٹرین کی گھڑگھڑاہٹ اور انجن کا شور ہر لحظہ قریب آ رہا تھا۔ یہ شور اور یہ گھڑ گھڑاہٹ پہاڑوں میں جب گونجتی تو انسان پر خوف سا طاری ہونے لگتا۔ بالکل ایسا لگتا جیسے دریائے بولان میں زور دار سیلاب آیا ہوا ہے اور بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے ہیں۔ ٹرین اب سگنل کی حد میں پہنچ چکی تھی۔ جانو اپنی بتی لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہری بتی سے اشارے دینے لگا۔ پل کی پل میں ٹرین جانو کے سامنے سے تیزی سے گزر گئی۔ سلام کرنے کے لئے جانو نے اپنا جلا ہوا زخمی ہاتھ ڈرائیور کی طرف بلند کیا۔ ڈرائیور کو بھلا جانو کا ہاتھ کیا نظر آتا اس نے ہوا کے ڈر سے چہرہ لپیٹ رکھا تھا۔ صرف آنکھیں ہی نظر آتی تھیں۔ ریلوے کی دی ہوئی بوجھل برانڈی پہنے چہرہ مفلر اور ٹوپے سے ڈھانکے ہاتھوں میں دستانے پہنے وہ ہر طرح سے محفوظ تھا۔ فائر مین تو جانو خان کو نظر نہیں آیا شاید جسم کو چھیدنے والی اس سرد اور ظالم ہوا سے کہیں چھپا بیٹھا ہو گا۔ ٹرین آگے بڑھا کر جانو اپنے ہٹ کی طرف پلٹ آیا اب پھر سے برف کے موٹے موٹے گھالے گرنے لگے تھے۔ وہ احتیاط سے پاؤں دھرتا کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچا۔ اب پھر سے برف کے موٹے موٹے گھالے گرنے لگے تھے وہ احتیاط سے پاؤں دھرتا کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچا چادر سر سے اتار کر برف جھٹکنے لگا اندر داخل ہوا اب کے کوٹھڑی خوب گرم تھی اور جانو کا دمہ بھی قابو میں تھا۔ جیکٹ کے بٹن کھول کر اسٹوو کے قریب دوزانو ہوکر بیٹھ گیا تب اسے رشید کا خیال آیا۔ رشید جانو کا گہرا دوست اور منہ بولا بھائی تھا شہر ہی جانو خان کو جب کچھ منگوانا ہوتا تو رشید اس کے لئے سودا سلف لایا کرتا جب جانو کا سودا رشید کو پہنچانا ہوتا وہ اس کے قریب میں ریل کی رفتار سست رکھتا تاکہ جانو اپنا سودا آسانی سے وصول کر سکے دونوں میں بھائی چارہ بن گیا تھا دونوں کے مزاج ایک جیسے تھے دونوں نے زندگی ایک طرح سے گزاری تھی رشید کو جس طرح کے غموں سے واسطہ پڑا تھا جانو کا دل اس کے لئے بہت تڑپتا تھا رشید ایسے لوگوں میں سے تھا جنہیں زندگی گذارنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارنے پڑتے ہیں جدوجہد کرنی پڑتی ہے جانو کو رشید کے حالات کا بخوبی علم تھا رشید نے کئی مرتبہ اس سے اپنے مسائل و مصائب کا تذکرہ کیا تھا رشید نے کہا تھا بھائی میری زندگی میں جیسے مصائب پیش آتے رہے ہیں تم اگر ان کے بارے میں جان لو گے تو روئے بغیر نہ رہ سکو گے۔ میں کمسنی میں ہی یتیم ہو گیا تھا ہوش سنبھالا تھا کہ میرے ورثا نے مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی سازش شروع کی۔ گھر میں لکڑی

اور ایندھن کی ضرورتوں کے مجھے جنگل جانا پڑا ایک مرتبہ میرے چچا نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی پیشی کے سلسلے میں شہر جا رہا ہے- میں جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آؤں' پیشی تو تھی مگر وہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا جہاں مجھے لکڑی لانے کے لئے جانا تھا وہاں سے کچھ دور کسی دوسرے علاقے میں ایک بدنام قاتل سے انہوں نے ساز باز کر رکھی تھی اسے کچھ دینے کی پیشکش بھی کی تھی- کہ وہ موقع پا کر مجھ پر گولیاں برسائے پھر اپنے علاقے کو بھاگ جائے اور واقعی ایسے ہی ہوا میں ایک چھوٹا سا لڑکا تھا اپنے چچا سے بہت ڈرتا بھی تھا مجھے اور کوئی راستہ بھی نہیں سوجھتا تھا گھوڑا گاڑی جوت کر روانہ ہو گیا جب وہاں پہنچا تو کوئی نظر نہیں آتا تھا میں نے چاہا کچھ آگے بڑھ جاؤں گاڑی میں کھڑا ہو کر آگے بڑھتا گیا جس جگہ پہنچنے کا مجھے وارث خواجہ نے کہا تھا گاڑی روک کر ابھی میں اترنے لگا ہی تھا کہ اچانک بندوق چلنے کی آواز آئی اور سنسناتی گولی مری ران کو چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی میں گاڑی کے اندر گر گیا ایک بار بندوق چلنے کی پھر سے آواز آئی گولی میری کنپٹی سے چھوتی ہوئی گزر گئی گاڑی میں جتے ہوئے گھوڑے کا رخ تو پہلے ہی سے گھر کی طرف تھا- بندوق کی آواز سے بدک کر ایک جھٹکے سے بھاگ نکلا گولی چلنے کی تیسری آواز بھی میں نے سنی اسکے بعد مجھے اتنا اندازہ ہوا گھوڑا اپنی پوری رفتار سے گاڑی بھگائے جا رہا ہے- میں گھر کس طرح پہنچا اس کا مجھے ہوش نہ رہا میں ہسپتال کیسے لے جایا گیا یاد نہیں تاہم جب صحیاب ہوا تو گاؤں کے لوگوں نے چپکے چپکے بتایا کہ یہ کیا دھرا سب تمہارے چچا وارث خواجہ کا تھا جو تمہارا وارث بھی ہے تمہیں وہیں پر قتل کر کے تمہاری لاش غائب کرنا مقصود تھا اس کے پاس پیشی پر حاضری کا جواز موجود تھا قتل کو قبائلی زندگی میں دیرینہ دشمنی کا نام دینا مشکل نہیں- رشید کہتا ہے صحت یاب ہونے کے بعد کسی رات کو میں وہاں سے فرار ہو کر اس چچا کی دست برد سے محفوظ رہا جو زمین کے چند ٹکڑوں کی خاطر مجھے مار دینا چاہتا تھا وہ زمینیں اس کی سوئم کی اب تک منتظر ہیں کچھ سالوں کے بعد وہ خود بھی کسی کی گولی کا نشانہ بن گیا اور کوئی اس کا چہرہ بھی نہ دیکھ پایا وہ ظالم شخص ایک قطعہ زمین کے لئے دوسروں کے ہاتھوں مجھے مروانا چاہتا تھا میں تو بچ گیا مگر وہ خود کھو گیا آخرت میں بھی روسیائی اس کی قسمت بنے گی حالانکہ سینکڑوں ایکڑ ارضی کا مالک تھا کسی چیز کی کمی نہ تھی مگر حرص نے اسے میرے چند قطعات ہتھیانے کے لئے اکسا ڈالا- میں اب تک زندہ ہوں اور عزت سے زندگی کے دن گذار رہا ہوں مگر اس نے اس دنیا کی زندگی میں بے ایمانی' بے رحم اور ظلم کما کر چھوڑا-

باب ششم

جب میر اور معتبرین سبزل خان کو اس نیک کام سے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو گاؤں کے لوگوں سے اصرار کرنے لگے کہ وہ سبزل خان کے پاس نہ جائیں مگر یہ کب ممکن تھا جن کے درمیان کوئی تنازعہ ہوتا۔ وہ رات کی تاریکی میں بھی اس کے پاس پہنچ جاتے۔ میر و معتبرین جس قدر سختی کرتے لوگ اسی قدر ان سے متنفر ہوتے گئے انہوں نے اپنی پوری کوششیں جاری رکھیں کہ کسی نہ کسی طرح ان آفت رسیدگان سے کچھ نہ کچھ وصول کر لیں مگر عام لوگ تھے کہ بھیڑوں کی طرح ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہوئے سبزل خان کے چوپال کو اپنی منزل بنائے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ یہاں وہ اپنے مسائل کا حل پاتے ان کا مفاد اسی میں تھا۔ یہاں انہیں جوتے یا پیزار اتارنے نہ پڑتے دست بستہ کھڑا رہنا نہ پڑتا۔ سبزل خان کی بیٹھک میں ہر شخص بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھنے کا اہل تھا۔ بلا خوف و تردد اپنی بات کہہ سکتا تھا۔ سبزل خان نے ان سے درخواست کر رکھی تھی کہ میرے چوپال میں کسی کو کسی پر خفا ہونے یا بھلا برا کہنے' حملہ آور ہونے سے احتراز کرنا چاہئے۔ خود اس کی عزت اس میں ہے کہ افہام و تفہیم اور جذبہ انسانی سے کام لے کر اپنے معاملات نبیڑیں۔ لوگوں پر بھی آفرین ہے کہ انہوں نے اس نشست گاہ کا احترام قائم رکھا۔

وقت گزرتا چلا گیا' دن مہینوں اور مہینے سالوں میں بدلتے گئے میر اور معتبرین کے سینے پر سانپ لوٹ لوٹ جاتے _ وہ اس کے خلاف مناسب موقع کی تاک میں رہے۔ اس لئے کہ اس نے ان کی لوٹ مار کے راستے روک رکھے تھے۔ اس کے کردار نے لوگوں میں بیداری اور شعور پیدا کر دیا تھا۔ معتبرین کو

خوف لاحق تھا کہ صورتحال اگر یہی رہی تو یہ ننگے بھوکے لوگ ان کی گرفت سے نکل جائیں گے۔ ان کا کہا نہیں مانیں گے بلکہ ہم چشمی پر اتر آئیں گے۔ میر اور معتبرین کو عوام کی قوت کا احساس تھا یہ کمزور لوگ اگر خواب غفلت سے جاگ اٹھے تو ان کا زندہ رہنا اور حکم چلانا ناممکن ہو گا۔ ایسا ہوا تو لوگ اپنی زمینوں کی پیداوار سے چھٹا' ساتواں یا آٹھواں حصہ چھپانا مشکل ہو جائے گا۔ باری اپنے پورے حصے کا مطالبہ کریں گے۔ اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہو گا۔ ان کے علاقے میں حکومت کا نمایاں عمل دخل نہ تھا جو کچھ تھے یہی چند سرکردہ لوگ اگر ان کے احکامات پر حسب خواہش عمل نہ ہوتا تو کوئی اور ان کی مدد پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مفاد پرست اور استحصالی طبقات اپنے اپنے مفادات کے تابع جلد ہی متحد ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اس شخص کو کس طرح درمیان سے ہٹا ڈالیں۔ وہ جانتے تھے کہ سبزل خان سے نپٹنا اتنا آسان نہیں لوگوں کی مضبوط حمایت اسے حاصل ہے وہ اس شعور سے خائف تھے جو لوگوں کو سبزل خان کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔ میر سائیں داد اس طبقے کا سب سے تیز و طرار شخص تھا۔ اس نے انہیں یقین دہانی کرائی کہ آپ فکر نہ کریں میں ایک ایسا کھیل کھیلوں گا کہ سیخ جلے نہ کباب' صرف ایک درخواست سبزل خان کے چچا زاد میر جمان خان سے ہے کہ وہ اپنے قبیلے کو سبزل خان کی حمایت سے روک رکھے۔ ہم خود اس سے جلے بھنے بیٹھے ہیں۔ سبزل خان نے ہمارے لئے کون سے بھلے کام کئے ہیں ہم تو اس کی وجہ سے بھکاری بن کر رہ گئے ہیں۔ ہماری زمینیں بنجر ہو رہی ہیں۔ قوم کی طرف سے کسی طرح کی اعانت یا آسائش ہمیں میسر نہیں۔ ہم تو خوش ہوں گے اگر اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس کا آگا پیچھا ایک نکھٹو بیٹا ہے بعد میں اس کا بھی کام تمام کر دیں گے۔ جمان خان نے کہا۔ ایک نکری بول پڑا۔ "آج تو آپ یہ کہہ رہے ہیں مگر جب سر پر آئے گا تو یہ نہ ہو کہ آپ یا کوئی اور چچیرہ اٹھ کھڑا ہو اور لاٹھی اٹھا کر مقابلہ پر آمادہ ہو۔" سبزل خان کا میرے سوا کوئی قریبی عزیز ہمارے قبیلے میں نہیں ہے اور لوگ تو پہلے سے اس کی جان کے درپے ہیں اور موقع کی تاک میں ہیں۔ بلاشبہ کچھ عرصہ پہلے میں اس سے قریب تھا مگر اب مجھے اس سے شدید نفرت ہے۔ اپنے قبیلے کا سربرآوردہ اور معتبر میں ہوں مگر میرے قبیلے کے لوگ مجھے گھاس نہیں ڈالتے۔ سب اسی کے پاس دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں میرے لئے تو گاؤں میں رہنا اور گھومنا مشکل ہو کر رہ گیا ہے کوئی بھی مجھے گاؤں کا سربراہ نہیں سمجھتا میں تو بس سرشارانہ زندگی گزار رہا ہوں۔ اپنے قبیلے اور معتبرین کے طعنے سنتا رہتا ہوں۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے سبزل خان سے اور قربت

تلاش کریں جس نے تمہاری عزت ٹکے کی کر ڈالی ہے وہ تو اب کسی کی بات پر کان ہی نہیں دھرتا۔"
جہاں خان نے مجمع کو بتایا۔

میر جہان خان کی یہ گفتگو سن کر میرمعتبرین کی مجلس میں موجود ہر شخص کو اعتبار آ گیا کہ سنزل خان کا کانٹا کھینچنے کی صورت میں ایسا ایک بھی نہ ہو گا جو اس کی دلسوزی میں بدلہ یا انتقام لینے اٹھ کھڑا ہو۔ اس کے چچا زاد بھائی تو پہلے سے ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور چاہتے ہیں جتنی جلدی ہو سکے مٹی میں دفن ہو جائے ایک مٹھی ہم بھی ڈال لیں۔ لے دے کے ایک بیٹا شادی شدہ دو بیٹیاں اور بوڑھی سی بیوی رہ جائے گی اور کوئی بھی وارث نہیں۔ عزیز خود اس کی جان کے دشمن بیوی کتنے دن جئے گی۔ رہا بیٹا تو قبائلیت کا خون آشام بھیڑیا اسے ٹھکانے لگا دے گا۔ البتہ علاقے کے لوگوں سے خوف آتا ہے سنزل خان جن کا مضبوط سہارا ہے وہ بغیر لوٹ اور لالچ کے ان کے کام آتا ہے۔ بہرحال میر سائیں داد کو اس مزاحمتی مجلس کا سربراہ مقرر کیا گیا جو ان میں اپنی تیزی اور تدبیر میں ماہر تھا۔ سنزل خان کا قلع قمع کر سکتا تھا اس لئے کہ سنزل خان نے ان کے لئے عزت سے جینے کی راہیں روک رکھی تھیں مجلس نے اسے پورا اختیار دے ڈالا کہ وہ جس طرح کا عمل چاہے کر سکتا ہے۔

میر سائیں داد نے اپنی سربراہی میں پوری مجلس کے سامنے میر جہاں خان سے یہ اقرار کروایا کہ سنزل خان کا کام تمام کرنے کے بعد کسی طرح کا بدلہ یا انتقام نہیں لیا جائے گا اگر وہ ایسا کرے گا تو اس مجلس کے تمام میر اور معتبرین کا دشمن قرار پائے گا۔ جہان خان نے اس عہد کو قبول کر لیا یہ بھی طے پایا کہ اس مجلس کی جتنی کاروائی ہے اس کی کسی کو ہوا بھی نہ لگنے دی جائے گی۔ اس کے بعد سب نے باہم قول و اقرار کئے اور مجلس برخاست ہوئی۔

باب ہفتم

جانو خان مارے سردی کے کانپ کر رہ گیا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ اسٹوو بجھنے کو تھا۔ اسٹو کا ڈھکنا الگ کر کے چند ٹکڑے کوئلے کے ڈالے' کیتلی کو کھنگال کر پانی ڈال کر اسٹوو پر رکھ دیا۔ ریل کے آنے میں ابھی بہت دیر تھی۔ کوٹھڑی کے پٹ کھول کر باہر جھانک کر دیکھا ہوا کی سائیں سائیں اور شور کے سوا اور کچھ نہ تھا اس نے دروازہ بند کر لیا اور بیٹھ کر گھڑی کا الارم آنے والی ریل کے وقت کے مطابق کر دیا۔ کوٹھڑی میں ادھر ادھر نظر دوڑائی کبھی اس کوٹھڑی میں بیٹھنے کے لئے ایک پرانی بنچ رکھی گئی تھی جس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ بنچ کی اس ٹانگ کو چند اینٹوں سے سہارا دیا گیا تھا تاکہ بیٹھنے کے قابل ہو اور بیٹھنے والا اس سے نہ گر پڑے ایک کونے میں کچھ ٹوٹی پھوٹی بتیاں بھی پڑی ہوئی تھیں کسی کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا کسی میں سرے سے شیشہ ہی نہیں تھا کسی کی بتی جل کر ختم ہو گئی تھی تو ایک آدھ کا کنڈا نہیں تھا پاس ہی ایک ڈبہ دھرا تھا جس میں بتیوں کے لئے مٹی کا تیل رکھا جاتا۔ پٹڑی کی دیکھ بھال کرنے والے مستریوں کا سامان بھی ایک کونے میں پڑا ہوا تھا۔ کوٹھڑی کی دیواروں میں کچھ کیلیں لگائی گئی تھیں۔ سات یا آٹھ فٹ لمبی ایک تختی ان پر دھری ہوئی تھی اس تختی پر ریل کو چلانے روکنے کی چند ایک جھنڈیاں رکھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اسٹوو کے قریب جہاں کوئلہ رکھا ہوا تھا دو تین آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ جانو' شامو یا ان کے دوست وہاں بیٹھا کرتے کیتلی اور پیالے بھی پاس ہی رکھے جاتے کوٹھڑی کے دروازے کے پیچھے پینے اور چائے وغیرہ پکانے کے لئے ایک بالٹی میں پانی رکھا جاتا۔ بیٹھنے کی جہ ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پر ایک بوسیدہ گرد اور مٹی سے اٹی ہوئی دری ہمیشہ پڑی رہتی۔

شامو کے دل میں کبھی خدا کی طرف سے توفیق ملتی تو وہ اس دری کو اٹھا کر باہر جھاڑ دیتا ورنہ پڑا رہتا۔ کون اس کی جھاڑ پونچھ کا درد سر مول لیتا۔ ہر ایک آتا اپنی ڈیوٹی کے اوقات گذار جاتا۔ اسی عدم توجہ اور بیٹھنے اٹھنے سے بچھونا جگہ جگہ سے پھٹ کر سوراخ سوراخ ہو چکا تھا۔ بچھونے کا اوپر کا کپڑا اپنی جوانی میں بلاشبہ ایک خوبصورت کپڑا ہو گا۔ معلوم نہیں کون اسے کتنے لاڈ پیار سے کتنے میں لے کر لایا ہو گا۔ پھر گھر لا کر گھر کی مالکن کو دیا ہو گا وہ کتنی خوش ہوئی ہو گی۔ اس خاتون نے ہو سکتا ہے اس سے اپنا کرتہ سئیا ہو کون جانے کتنی چاؤ سے اس ناز آفرین نے کسی شادی بیاہ یا منگنی کی تقریب میں زیب تن کیا ہو گا۔ میلا ہونے پر اسے کھار سے دھو کر سکھا کر کسی بقچے یا تھیلے میں تہہ کر کے رکھا ہو گا کہ آنے والی عید پر یا کسی منگنی شادی کی تقریب میں پہنیں گی مگر اب اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کرتے کے اس ٹکڑے پر اب تک کشیدوں کی باقیات پہننے والی کے ذوق کی گواہی دے رہے تھے مگر بار با کھار میں ابال کر دھونے سے حسین گل بوٹے مدھم پڑ چکے تھے اس کپڑے کی مالکن نے اسے جس دیدہ ریزی سے کشیدوں سے سجایا تھا جس چاہ سے سیا تھا جس شوق سے پہن کر محو خرام ہوئی تھی جانو کے تصور میں مجسم تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچھونا اتنا ہی پرانا ہے جتنا کوٹھڑی میں بکھرا ہوا سامان' جتنی وہ بوسیدہ بنچ' بتیاں' بچھونا -- خود کوٹھڑی بھی آثار قدیمہ کی دھراتی تاریخ کوٹھڑی جسے انگریزی میں ہٹ کا نام دیتے ہیں اپنے اندر رکھی ہوئی اشیاء سے کم فرسودہ نہ تھی۔ اسے ریلوے لائن کے پاس انگریزی دور میں پوائنٹس مین کے رہنے اور ڈیوٹی دینے کے لئے بنایا گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اب یہ کوٹھڑی روبہ زوال تھی۔ دیواروں کی حالت خستہ ہو چکی تھی۔ اینٹیں باہر جھانک رہی تھیں پلستر معلوم نہیں کب دیواروں کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ اینٹوں کو جوڑے کے لئے جو سیمنٹ ٹیپ وہ چر مر ہو کر گر گیا تھا۔ ایک دو جگہوں سے دیوار میں سوراخ ہو چکے تھے۔ موسم سرما کے آتے ہی اس میں کام کرنے والے گارے سے ان سوراخوں کو لیپ دیتے تاکہ سردیوں میں کوٹھڑی گرم رہ سکے چھت پر بچھی ہوئی چادریں بھی گھل چکی تھیں چھت ٹپکتی تھی۔ ٹپنے والی جگہوں کے نیچے یہ لوگ کوئی برتن وغیرہ رکھ دیتے تاکہ کوٹھڑی میں رکھا ہوا سامان تباہ ہونے سے بچ جائے۔ گرمیوں میں حالت اور خراب ہو جاتی جب چھت کی چادریں تپ جاتیں دن میں کوئی بھی اس میں بیٹھ نہ سکتا۔ بس اسی کوٹھڑی میں جانو' شاموں' دوسرے پوائنٹس میں اور ریلوے کے گینگ میں اپنی زندگی کا بڑا حصہ گزارتے کوٹھڑی سے مٹی کے تیل کی باس آتی رہتی یہ اس بدبو کے اس

طرح عادی ہو چکے تھے کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ ہوتی احساس بھی نہ ہوتا۔

جانو جب اپنے خیالوں کی دنیا سے نکل آیا تو اسے معلوم ہوا کہ کیتلی کا پانی ابلتے ابلتے سوکھ چکا تھا۔ بس ایک آدھ پیالی بچ رہی تھی جانو نے ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھایا دروازے کے پیچھے رکھی ہوئی بانی سے بھر کر کیتلی میں انڈیل دیا۔ آج جیسے جانو کے خیالات جوان اونٹنی کی طرح لمبے لمبے ڈگ بھر رہے تھے۔ وہ اپنے آپ پر حیران ہو رہا تھا کہ یہ خیالات اس کے ذہن میں کیسے چلے آ رہے ہیں۔ بے شک زندگی کے دن اس نے اس طرح گزارے تھے اس سے پہلے بھی اپنی بے بسی اور مجبوریوں پر وہ کڑتا رہا تھا وہ جانتا تھا کہ اس کوٹھڑی اس میں بکھری ہوئی چیزوں' اس اسٹیشن کا اس کی زندگی میں بڑا حصہ تھا۔ اگر اس کوٹھڑی کو اس کی زندگی سے خارج کیا جائے تو صرف وہ دکھ اور مصائب ایک بار پھر سے خود کو دہرائیں گے جن کے ہاتھوں زندگی کے کئی سال ریت پھانکتے' صحرانوردی کرنے اور انجانے کہستانی راستوں میں گھوم پھر کر گزارے تھے۔ اسے اپنی حالت کچھ قابل رحم معلوم ہوئی مگر اس رحم کے جذبے کو اس نے دل سے اس طرح نکال کر پھینک دیا جیسے دودھ سے مکھی نکال کر پرے پھینک دی جاتی ہے وہ سوچنے لگا خود پر رحم کھانا بزدلی ہے جو دل کو اس طرح بہلاتا ہے وہ آدمی عمر بھر فریب کا شکار رہتا ہے اور عملی زندگی سے دور ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسا آدمی نہ خود کوئی عملی کام کرتا ہے نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے دیتا ہے وہ صرف گفتار کا غازی ہو جاتا ہے۔ الفاظ سے بھرا ہوا تھیلا۔ بہتر یہی ہے کہ ایسے ایسوں سے دور ہی رہا جائے جانو کو بھی خود پر بالکل ہی رحم نہیں آتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ رحم کے قابل صرف اندھے بہرے اور معذور ہوا کرتے ہیں میں تو اچھا بھلا تندرست آدمی ہوں مجھے تو زندگی میں ہر قدم پر آگے کو بڑھنا ہے اگر میں خود پر رحم کروں تو زندگی کی تیز رفتار ٹرین سے رہ جاؤں گا ٹرین سے رہ جانے والوں کے تمام راستے گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ریل سے رہ جانے والوں کو وقت کی دھند لپیٹ لیتی ہے ان سے ہاتھ دھو لینے پڑتے ہیں۔ ایسے لوگ دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کے رہتے ہیں نہ گھاٹ کے۔

کیتلی میں ایک مرتبہ پھر سے ابال آنے لگا تھا۔ اسٹوو کی تپش سے پانی کے ابلنے کی آواز آ رہی تھی جانو نے چائے کی پتی کا پیکٹ کھول کر اپنی تین انگلیوں سے دو چٹکی چائے کیتلی میں ڈالی اس بار جانو سبز چائے دم دینا چاہتا تھا قریب ہی زرد رنگ کے کپڑے سے بنے چھوٹے سے تھیلے کو ٹٹول کر کھولنے لگا آج دن ڈھلے وہ اپنے ساتھ تھوڑی سی چینی لایا تھا۔ جانو کو بادلوں کی تھوڑی بہت پہچان تھی شاید رات کو

بارش یا برفباری ہو۔ جانو کو اس کا بھی احساس تھا کہ شامو اپنے بیٹے کی بیماری کی وجہ سے شاید ڈیوٹی کرنے نہ آ سکے اس لئے رات گزرنے کے لیے وہ چینی اور سبز چائے ساتھ لایا تھا۔ آدھی رات کے بعد سبز چائے کے دو ایک فنجان پینے سے نیند قریب نہیں پھٹکتی۔ جانو اس کوٹھڑی میں عرصے سے کام کرتا رہا تھا ایسی کئی راتیں اس پر گزری تھیں تاہم آج کی رات انوکھی رات تھی۔ ہوا اپنی پوری طاقت سے چل رہی تھی اور برفباری بھی حد سے متجاوز قیامت کی ایسی راتیں جانو نے بہت کم گزاری تھیں اس رات کو آنکھوں آنکھوں کا کاٹنا اس کے لئے کچھ بڑی بات نہ تھی۔

جب چائے اچھی طرح پک گئی پتیوں نے اپنا رنگ چھوڑا تب جانو نے رومال سے پکڑ کر کیتلی آہستہ سے اپنے قریب رکھ لی تاکہ اچھی طرح دم پخت ہو۔ اب اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر خاکی کاغذ کی ایک پڑیا نکالی اسے نہایت احتیاط سے کھولا اس میں الائچی کے کچھ دانے تھے۔ جانو نے دو موٹی موٹی الائچیاں الگ کیں اور پڑیا دوبارہ لپیٹ ڈالی اور اسے جیکٹ کی اسی جیب میں رکھا جس سے پڑیا نکالی تھی الائچیاں توڑ کر کیتلی میں ڈالیں اور کچھ دیر کے لئے رہنے دیا اس کام سے فارغ ہو کر اس نے گھڑی کی طرف چراغ کی روشنی میں نظر کی تو معلوم ہوا کہ آنے والی ٹرین کا وقت قریب آ چکا ہے۔ جانو نے چائے کی پیالی میں چائے انڈیلی تو الائچی کی خوشگوار خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکراتی ہوئی دماغ میں جا پہنچی وہ خود سے ہمکلام ہو کر بول اٹھا واہ جانو خان آج تو تم نے غضب کی لیفیسنی چائے تیار کر لی ہے۔ ایسی چائے تو تمہیں شادی والی رات بھی نہیں نصیب ہوئی ہو گی کاش گھر قریب ہوتا تو ایک پیالی یوسف کی ای کے لئے بھی پہنچاتا مگر اب تو رات بہت گزر چکی ہے اس پر مستزاد شدید ہوا کے تھپیڑے اور برف کے برستے موٹے موٹے گھالے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا دو تین پیالیاں گرم چائے کی پی کر جب جسم میں کچھ گرمی محسوس ہوئی تو سوچنے لگا اس سے دمہ میں افاقہ ہونے کے ساتھ ہی نیند کا غلبہ بھی نہ رہے گا۔ جب کیتلی میں موجود آخری قطرہ بھی نوش کر لیا تو کیتلی میں رہ جانے والی سبز پتی انگلیوں کی مدد سے نکال کر چبانے لگا یہ سبز پتی دمہ کے مرض میں جانو کے لئے دوا کا کام دیتی۔ کسی نے اسے دوا کے طور پر اس پتی کو چبانے کا مشورہ دیا تھا کہ یہ دمہ کے لئے تیر بہدف ہے اس لئے جانو جب بھی سبز چائے ابالتا آخر میں اس کی باقیات کو چبا کر کھاتا اس کے ساتھ بھی اس کی اس بات سے باخبر تھے وہ بھی جب سبز چائے پکاتے تو پتیاں جانو خان کو چبانے کے لئے دیتے۔ اس ٹوٹکے سے جانو کو فائدہ پہنچا تھا یا نہیں مگر وہ دے کا

اسی طرح علاج کر رہا تھا۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے فائدہ نہ ہو نقصان بھی تو نہیں یوں بھی کیتلی کو دھوتے وقت یہ باقیات گرا دی جاتیں اگر اس سے اس کے دمہ کا علاج یا افاقہ کی امید تھی تو وہ کیوں نہ اسے کام میں لائے۔ یہ اچھی عادت تھی یا بری جانو کو اس کی پروا نہ تھی۔ شروع میں تو اس کے ساتھی اس کا مذاق بھی اڑایا کرتے بعض پیٹھ پیچھے اس کی برائی بھی کرتے مگر بعد میں وہ بھی سمجھ گئے کہ جانو کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے وہ اسے نہیں چھوڑتا۔ انہوں نے بھی مضحکہ اڑانے پر مٹی ڈالی۔

گھڑی کا الارم زور زور سے بجنے لگا۔ اسٹیشن سے بھی جانو کو چوکس کر دیا گیا۔ جانو اپنی جگہ سے اٹھا۔ اف اللہ کہہ کر کمر سیدھی کی۔ کمر تو لکڑی کی طرح سوکھ چکی تھی۔ اپنے گھٹنوں کو ہاتھوں سے سہلانے دبانے لگا۔ دل میں سوچنے لگا۔ یار جانو خان لگتا ہے بڑھاپے نے تمہیں چت کر دیا ہے کچھ سال پہلے تو پیٹھ کا درد اور گھٹنوں کی تکلیف کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اب اٹھتے بیٹھتے ہاتھ زمین پر ٹیکنا پڑتا ہے۔ جلدی سے جیکٹ کے بٹن بند کرتا ہوا۔ چادر سے خود کو اچھی طرح لپیٹ لیا کہ ہوا تنگ نہ کر سکے۔ بتی میں تھوڑا سا مٹی کا تیل ڈال کر کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر نکلا ہوا اسی طرح طوفان اٹھائے ہوئے تھی۔ البتہ برف گرنا بند ہو چکی تھی۔ آنکھیں اوپر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تاکہ معلوم کر سکے کہ بادل اب بھی ہیں یا ہوا انہیں بھگا لے گئی ہے۔ پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی میں آسمان کا ایک چھوٹا سا حصہ نظر آتا تھا۔ اس پر بادل پہلے کی طرح چھائے ہوئے تھے تاہم جنوب کی طرف بادلوں میں ستاروں کی جھلک نظر آتی تھی وہ سوچنے لگا ایسا لگتا ہے کہ ہوا نے بادلوں کا زور توڑ ڈالا ہے ہوا اب بھی مغرب کی سمت سے بارش کی بوندوں کو چھڑک رہی تھی جانو نے اپنا چہرہ ہوا کی طرف سے موڑ لیا ویسے بھی اسے مشرق کی سمت جا کر پٹڑی بدلنا تھی۔ اس لئے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کانٹے کے قریب پہنچا۔ شمال کی طرف نظر دوڑائی تو بادل ویسے ہی گھنگور اور سیاہ تاریک نظر آئے۔

ٹرین کی گھڑ گھڑاہٹ پہاڑوں کو گویا ہلائے دے رہی تھی اونچے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا درہ بولان یہاں آ کر بہت ہی تنگ گھاٹی میں بدل جاتا ہے۔ یہاں ٹرین گزرنے کے شور سے ایسی خوفناک گونج پیدا ہوتی کہ اس تاریک رات میں انسان پر خوف سا طاری ہو جاتا۔ نیچے بولان کی ندی میں پانی بہنے کی آواز آ رہی تھی۔ شاید پہاڑوں میں دور کہیں بارش بری تھی بولان ندی میں سیلاب آ رہا تھا۔ اتنے میں ٹرین قریب آ پہنچی جانو نے بتی ایک طرف دھر دی اور کانٹے کو ایک جھٹکا دے کر پٹڑی بدل ڈالی کچھ دور

سگنل کی گردن بھی ڈھلک گئی۔ جانو نے بتی اٹھائی اور تیز تیز چلتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں سے اسے انجن ڈرائیور کو لائن کلیر کا سبز بتی لہرا کر اشارہ دینا تھا۔ اس ٹرین کو کچھ دیر کے لئے اس اسٹیشن پر رکنا تھا تا کہ دوسری طرف سے آنے والی ٹرین کراس کر سکے۔ ٹرین کے رکتے ہی فائر مین حضورو انجن سے نیچے اتر آیا۔ ایک گٹھڑی لئے ہوئے جانو کی طرف چل پڑا۔ جانو اور حضورو نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا بعد میں حضورو نے وہ گٹھڑی جانو کے حوالے کی جس میں سودا سلف تھا جو شہر سے جانو نے گھریلو ضرورت کے لئے منگوایا تھا جانو نے حضورو سے کہا میری کوٹھڑی میں جا کر اپنے لئے ایک پیالی سبز چائے تیار کر اور یہ گٹھڑی بھی وہیں رکھ دے۔ چائے پی کر آ جانا۔ حضورو نے ایسا ہی کیا۔ چائے پینے کے بعد دونوں کسی اوٹ میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف ہوئے بات چیت کا موضوع بیشتر موسم' ہوا' بارش اور برفباری تھا۔ حضورو نے بتایا کولپور سے دشت بیدولت اور شال (کوئٹہ) تک زمین برف سے لدی ہوئی ہے ہم اپنی ٹرین بڑی احتیاط سے گزار آئے ہیں ایسا نہ ہو کہ برف میں پھسل کر انجن پٹڑی سے اتر جائے وہ اسی گفتگو میں تھے کہ اپ ٹرین کا وقت آن پہنچا جانو بتی ہاتھ میں لے کر کانٹا بدلنے کے لئے اٹھا حضورو کچھ دیر وہاں رکا رہا پھر اپنے انجن کی جانب دوڑ پڑا۔ یہاں سردی ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ کھڑے کھڑے وہ ٹھٹھر کر رہ گیا تھا ویسے بھی اب ٹرین کی آمد کے بعد ان کی ٹرین کو اپنی سفر پر روانہ ہونا تھا۔ یہاں اس کا کھڑے رہنا غیر ضروری تھا انجن کی بھٹی میں کوئلہ بھی تو جھونکنا تھا۔

اپ ٹرین نے یہاں رکنا نہیں تھا اس لئے تیزی سے آ کر گزر گئی اب جانو پلٹ پڑا تاکہ دوسری لائن کو لائن کلیر دے اس بار اسے کانٹے کو دو مرتبہ جھٹکا دینا پڑا تب پٹڑی بدل سکا اب وہ دوبارہ اس مقام پر پہنچا جہاں سے سبز بتی لہرا کر لائین کلیر کا اشارہ دینا تھا یہ ٹرین بھی روانہ ہوئی۔ رات کے تین پہر گزر چکے تھے۔ جانو سوچنے لگا یہ تاریک اور لمبی رات تو گزرنے کا نام ہی نہیں جانتی اب وہ ایک بار پھر خیالوں میں محو پرواز تھا۔ وہ حضورو کے بارے میں سوچنے لگا کہ کتنا اچھا جوان ہے بات بات پر قہقہے لگا کر ہنستا ہے جب سے اسے ریلوے کی ملازمت ملی ہے اس کی سابقہ زندگی میں یکسر تبدیلی آ گئی ہے غم اور فکر نے تو اسے چھوا تک نہیں گویا ہمیشہ خوش و خرم' چہرے پر مسکراہٹ رہتی ہے کتنا پیارا جوان ہے میری اگر کوئی بیٹی ہوتی تو اسے اپنا داماد بناتا میری بیٹی کے لئے بھلا اس سے موزوں رشتہ اور کونسا ہوتا مگر کیا کروں میری تو کوئی بیٹی نہیں ہے یہی تو میری بدقسمتی ہے۔ پھر وہ سوچنے لگا' حضورو جتنا خوش اور مسرور

نظر آتا ہے۔ حقیقت میں وہ اتنا خوش نہیں۔ بس وہ ایک جیدار جوان ہے اپنے دل کا بھید میرے علاوہ اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ خدا نے اس شخص کو فولادی اعصاب عطا کئے ہیں کہ وہ اپنے دکھوں کا اظہار کسی پر بھی نہیں کرتا۔ کتنے بڑے بڑے گھاؤ دل پر لئے ہوئے جی رہا ہے ورنہ وہ کونسی آفت ہے جو اس نے نہیں جھیلی۔ خاندانی جوان ہے' خاندانی نجابت کا مالک وہ ہر ایک چنا بھلا بیٹھا ہے تاہم مجھے معلوم ہے کہ اس کے ساتھ کیا کیا ہوا ہے۔ ریل کے چھوٹتے ہی جانو خان کے خیالات کو بھی پر لگ گئے تھے وہ بادلوں سے بھی بلندی پر محو پرواز تھے۔

جانو دونوں ٹرینیں گزار کر اپنی کوٹھڑی میں پہنچ چکا تھا اب نیند کا اس پر غلبہ ہونے لگا تھا مگر ابھی چھٹکارہ کہاں اسے تو صبح آٹھ بجے تک یہاں حاضر رہ کر ڈیوٹی کرنا تھی۔ گھڑی اٹھا کر آنے والی ٹرین کے وقت کے مطابق الارم لگا دیا۔ اسٹوو بھی دھیما ہو رہا تھا کوئلے کے چند ٹکڑے اس میں بھی ڈال دیئے۔ جلے ہوئے ہاتھ کے چھالے بھی اب جلنے لگے تھے۔ جانو خان کا ہاتھ یا پاؤں اگر کبھی جل جاتا وہ جلے ہوئے حصے کو آگ کی تپش کے سامنے کرتا شروع میں جلن ناقابل برداشت ہوتی مگر رفتہ رفتہ سوزش اور ٹیسوں میں کمی آ جاتی۔ جلے ہوئے ہاتھ کے چھالے جب اسے بہت بے چین کرنے لگے تو اس نے وہی پرانی تدبیر آزمائی جلے ہوئے ہاتھ کے اس حصے کو آگ کے قریب لے جاتا پھر ہٹاتا تاکہ جلن میں کمی آ جائے۔ یہی ہوا بھی' پہلی مرتبہ اسٹوو کی تپش سے جانو کو دن کے تارے نظر آ گئے مگر بعد میں جلن میں کمی آ گئی۔

جانو خان چائے تو بہت پی چکا تھا مزید چائے پینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا وہ اپنے پھٹے پرانے بچھونے پر بیٹھ کر کوئی گیت گنگنانے لگا تاہم شامو کے بیٹے کی بیماری ذہن پر بری طرح قبضہ کئے ہوئی تھی۔ گنگنانے میں بھی جی نہیں لگا۔ طبیعت مکدر ہو کر رہ گئی بار بار یہ خیال آتا کہ شامو کا بیٹا معلوم نہیں بچ بھی سکے گا کہ نہیں اپنے دل میں پیروں فقیروں کو یاد کرنے لگا کہ وہ اس بیمار بچے کو صحت عطا کریں۔ معاً خیال آیا کہ زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے اسی کو یاد کر کے فریاد کروں کہ اس معصوم بچے کو ہر آفت سے بچائے۔ دروازہ پوری طرح بند نہیں تھا سرد ہوا کہیں سے آ رہی تھی وہ اٹھا تاکہ دروازہ اچھی طرح بند کر دے۔ دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا کہ دیکھیں ہوا سے بادل بکھر گئے ہیں یا نہیں بادلوں کے ٹکڑیوں کے درمیان ستارے جھلملا رہے تھے ہوا کی سردی میں اضافہ ہو چکا تھا جو جسم میں نشتر چلا رہی

تھی جھٹ سے دروازہ بند کر کے اپنی جگہ آ بیٹھا۔

بیٹھے بیٹھے جانو اونگھنے لگا' دل نے کہا یہ تو میرے لئے بری بات ہے حضورو جو گٹھڑی چھوڑ گیا تھا اسے کھولا تاکہ دیکھے وہ کیا کیا لایا ہے گٹھڑی میں وہی سودا تھا جس کے لئے حضورو سے کہا گیا تھا۔ دیکھ کر خوش ہوا۔ مائیں ایسے بیٹے جنیں ان کے نام حضور بخش رکھیں۔ بیٹھے بیٹھے جانو حضورو کے ماضی کی طرف پلٹ پڑا۔ سوچنے لگا ہمارے لوگ بھی کس قدر جاہل ہیں' یہ جہالت ہی تو تھی کہ حضورو کے والد بنے کا رشتہ اپنے ایک صاحب جائیداد چچا زاد کی بیٹی سے کیا۔ کچھ عرصہ تو امن سے گزرا نئی رشتہ داری دونوں طرف سے مستحکم ہوتی گئی لیکن جب حضورو کے محترم والد دل کے عارضے میں اچانک فوت ہوئے تو حضورو بہت کم سن تھا بمشکل سات یا آٹھ سال عمر تھی۔ حضورو کے والد کا اور قریبی چچا زاد کوئی نہ تھا صرف حضورو کا خسر کہ وہ بھی دور کے رشتہ دار تھے۔ حضورو کی نہ کوئی بہن نہ بھائی تھا لے دے کے جوان والدہ تھی۔ خدا پردہ رکھے اس خاتون کی ایک بیٹے کے بعد گود ہری نہ ہو سکی۔ شوہر کے فوت ہونے پر بیٹا بہت کمسن تھا البتہ زمین' مال مویشی اور ریوڑ بہت کچھ پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ حضورو کی ماں بہت نیک عورت تھی خدا کی شان کہ اس کے بھی عزیز اور رشتہ داروں میں کوئی نہ بچا تھا۔ باپ بہت پہلے رحلت کر گیا تھا شادی کے دوسرے مہینے اس کی والدہ نے بھی جہان فانی سے رخصت کیا۔ حضورو کی والدہ نہ صرف جوان تھی بلکہ چہرہ مہرہ بھی اچھا پایا تھا دور نزدیک ایسی حسین عورت شاید ہی ہوتی۔ جوانی اور حسن' دل میں اتر جانے والا قد و کاٹ خدا کی دین ہیں مگر وہ بیچاری خوف سے مری جا رہی تھی کہ یہ اوصاف دشمن بھی ہوتے ہیں اتنی بڑی حویلی میں ایک کمسن لڑکے کے ساتھ رہنا کسی بھی وقت بدنامی کے چھینٹے نہ پڑیں۔ زمانہ فساد کا ہے لوگوں کو تو باتیں بنانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ پہاڑ جیسی زندگی یہاں رہ کر کس طرح گزر سکے گی۔ ایک دن حضورو کا خسر آیا تاکہ سمدھی کی خبر گیری کرے باتوں باتوں میں حضورو کی والدہ ماہ پری نے اپنے دل میں چھپی ہوئی پریشانی کا اظہار کر دیا۔ حضورو کے خسر عمر خان کہنے لگے بی بی یہ تو پریشان کن بات نہیں۔ میرے ساتھ چلئے میرے گھر چل کر رہیے۔ تمہاری دو روٹیوں سے میں کنگال تو نہیں ہو جاؤں گا۔ ماہ پری کہنے لگی نہیں بھائی میں نے برسبیل تذکرہ یہ بات کی ہے میں اپنا گھر چھوڑ کر کہاں جا سکتی ہوں۔ خدا عزت کے ساتھ رکھے اپنا بڑا وقت اس حویلی میں گزار چکی ہوں میں نے تو تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے بیٹے کے لئے ساری زندگی وقف کر دوں گی۔ عمر خان نے بڑی کوشش کی کہ

عورت کے خوف سے فائدہ اٹھائے مگر ماہ پری ٹس سے مس نہ ہوئی۔ عمر خان نے اتمام حجت کے لئے ایک بار پھر سے اصرار کیا کہ ماہ پری اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو جائے مگر اسے مایوسی ہوئی وہ اٹھ کر اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

عمر خان سازشی طبیعت کا شخص تھا لوگ اسے اچھی طرح پہچانتے تھے پہلے بھی کئی بار فصل کی کٹائی اور چنائی کے دنوں میں لڑکیوں بالیوں سے چھیڑ چھاڑ کر چکا تھا ماہ پری کو یہ ساری باتیں بھولی نہ تھیں۔ سوچنے لگی یہ حضرت ایسے بھلے مانس کب رہے ہیں کہ کوئی ان کا اعتبار کرے اسی لئے تو عمر خان کی منت سماجت اور اصرار کو رد کیا۔

عمر خان جانے کو تو اپنے گھر چلا لیکن اس خاتون کے حسن نے دل چھین لیا۔ اسے یہ تک خبر نہ ہو سکی کہ وہ گھر کس طرح پہنچا تھا۔ دل و دماغ پر ماہ پری کی جوانی اور حسین سراپا چھایا رہا اس نے رشتہ داری کا احترام بھی بھلا دیا۔ اسے اس بے بس عورت کی تنہائی اور بیکسی پر بھی رحم نہیں آیا وہ اپنے دل کے وسوسے اور مذموم جذبات کے تابع تھا ساری رات کروٹ پر کروٹ بدلتا رہا۔ رات بھر یہی سوچتا رہا کہ ایسا کوئی ہتھکنڈا آزماؤں تاکہ ماہ پری کو اپنے گھر لا سکوں۔ بعد میں اسے اس کی رضا مندی یا جبر کے ذریعے اس سے شادی رچاؤں۔ اس بے رحم کے لئے کسی کو لوٹنا معمولی بات تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اپنے گاؤں کے ایک بدقماش آدمی کو کچھ رقم دے کر اپنی راہ پر لگا لیا اس سے کہا کسی دن ماہ پری کی حویلی میں رات کی تاریکی میں کود جائے گھر کے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹا کر ماں بیٹے کو خوف زدہ کرے مگر یاد رہے کوئی اور حرکت ایسی نہ کرنا جس سے مجھے غصہ آ جائے ورنہ تم میرے نزدیک گردن زدنی ٹھہرو گے۔ بس صرف ان کو ڈرا کر اسی طرح دیوار پھاند کر اپنے گھر چلے جانا آتے جاتے وقت ندی سے ہو کر گزرنا تاکہ تمہارے قدموں کے نشان غمازی نہ کریں۔

اس کرائے کے غنڈے نے یہی عمل کیا ایک آدھ دن چھوڑ کر وہ ماہ پری کی حویلی پھاندنے اس خاتون اور اس کے بیٹے کو ڈرا آتا عورت نے بہت برداشت سے کام لیا مگر کب تک مجبورا عمر خان کے گھر پہنچی اس کی بیوی کو بتایا کہ بہن ہم سے یہ کچھ ہونے لگا ہے۔ عمر خان کی بیوی نے اپنے شوہر کو اس صورتحال سے باخبر کر دیا تاکہ رشتہ داروں کی مدد کرے۔ عمر خان تو خدا سے یہی چاہتا تھا بیوی سے کہنے لگا میں نے تو ماہ پری سے بہت پہلے یہ کہہ دیا تھا کہ اس جیسی حسین اور جوان عورت کو ایک کمسن لڑکے

کے ساتھ اتنی بڑی حویلی میں تنہا رہنا ہرگز مناسب نہیں۔ زمانہ بہت خراب ہے کل کلاں کوئی غلط بات کر سکتا ہے مگر ماہ پری نے خود سری کرتے ہوئے میری بات نہیں مانی۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ تم ہی جا کر اسے یہاں لے آؤ۔ میں تو دوسری بار نہیں کہوں گا میرے مشورے کی تو عزت نہیں کی۔

عمر خان دراصل پکچر میں آنا نہیں چاہتا تھا خود کو پردے کے پیچھے رکھ کر اپنی بیوی کو سامنے لا رہا تھا جو کہ بہت ہی سادہ لوح تھی وہ بیچاری اس بات کی تہہ کو نہیں پہنچی کہ عمر خان کی نیت کیا ہے جب ماہ پری اور اس کا بیٹا ان کے گھر آئے تب اس کے کان کھڑے ہو گئے مگر اب کیا ہو سکتا تھا وہ خود ہی تو ماہ پری کو لے کر آئی تھی اب اسے لوٹا دینا ناک کٹوانا ہوتا لوگ کیا کہتے سمدھی کو محبت سے بلا کر چار دن بھی مہمان نہ رکھ سکے۔ کیوں لوٹا دیا یہ بھی بدنامی کی بات تھی خدا پر توکل کر کے خاموش بیٹھ رہی۔ ہر چہ بادا باد۔ عمر خان کی بیوی کو ماہ پری سے بہت سی توقعات تھیں کہ وہ اس کے لئے سوکن نہیں بنے گی۔

ماہ پری اور حضورو رہنے کو تو یہاں رہ پڑے مگر ماہ پری پریشان کن تشویش میں مبتلا تھی وہ جانتی تھی کہ عمر خان کوئی تدبیر ضرور کرے گا خدا میری عزت کی حفاظت کرے۔ وہ سوچتی تھی اس بھری دنیا میں نہ تو میرا نہ ہی میرے مرحوم شوہر کا کوئی رشتہ دار بہن بھائی ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو مجھے کب یہ دکھ بھرے دن دیکھنے پڑے۔ اب میں کیا کروں' کہاں جاؤ بالکل اس کے .مصداق آگے بھیڑیا پیچھے مگر مچھ۔ بیچاری خدا سے مدد چاہنے اور سخی چیتان پیر اور ستی مائی لالین کے دامن میں پناہ تلاش کرنے لگی۔

عمر خان نے ماہ پری کو اپنانے کی خوب خوب کوششیں کر ڈالیں مگر اس عصمت مآب خاتون نے اس کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ عمر خان نے اپنی خادمہ کے ذریعے ماہ پری پر ڈورے ڈلوائے کہ اس سے بیاہ کرے مگر ماہ پری نے تو قسم کھا رکھی تھی کہ وہ شادی نہیں کرے گی اگر شادی کرنا ناگزیر ہو گا تب بھی عمر خان کی دلہن نہیں بنے گی جب عمر خان بالکل ہی ناامید ہوا۔ اپنی بیوی' خادم' خادمہ اور خود ماہ پری کے سامنے بے نقاب ہو کر رہ گیا تو ماہ پری کو پھر سے اس کے گھر بھجوا دیا۔ خود ماہ پری بھی یہ چاہتی تھی عمر خان کی بیوی کی خواہش بھی یہی تھی کہ ماہ پری یہاں نہ رہے ایسا نہ ہو کہ میرے گلے کی گھنٹی بن کر رہ جائے۔ ماہ پری اپنے گھر لوٹ کر آ گئی دریں اثنا وہ تین چار سال جو اس نے عمر خان کے ہاں گزارے تھے عارضہ قلب کا باعث بن چکے تھے کچھ ہی مدت گزری ہو گی کہ وہ اس جہان فانی سے

سدھار گئی۔ اب حضورو دس بارہ سال کا لڑکا اس بھری دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔ سر پر ماں باپ کا سایہ نہ رہا اس کے لئے گاؤں میں زندگی گزارنا مشکل ہو کر رہ گیا خسر کی ڈانٹ پھٹکار' دنیا کی بے ثباتی زمین اس پر تنگ ہو کر رہ گئی۔

عمر خان ایک بے ایمان شخص تھا پہلے وہ اس خیال میں رہا کہ ماہ پری سے عقد ہونے پر وہ اس کی ساری جائیدار ہتھیا لے گا اور ماں بیٹے سے بعد میں کسی اور طرح سے نبٹ لے گا یہ بیل تو منڈھے نہ چڑھ سکی۔ ماہ پری ایک غیور عورت تھی وہ اپنے بیٹے کی پرورش کے لئے عمر بھر گھر بیٹھ سکتی تھی تاکہ اس کے مرحوم شوہر کی روح بیقرار نہ ہو۔ اب عمر خان نے پھر سے بے شرمی کا مظاہرہ کرنا چاہا کہ کسی نہ کسی عنوان سے حضورو کو مروا ڈالے۔ چونکہ حضورور کا اور کوئی وارث نہ تھا جو جائیداد کی ملکیت کا دعوی کرتا۔ ساتھ ہی حضورو کی موت اس کی بیٹی کے لئے آزادی کا باعث بنتا ابھی سے اس نے ایک بڑے گھرانے کے لڑکے پر نظریں گاڑھ لی تھیں۔ وہ سوچتا تھا کہ اس یتیم اور بھیک منگلے کو کون اپنی بیٹی دے گا۔ عمر خان نے اسی بدقماش شخص کو جو ماہ پری کے حویلی کی دیوار پھاندتا رہا تھا اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا کر خوف زدہ کیا کرتا تھا ایک مرتبہ استعمال کرنا چاہا۔ ایک تو وہ شخص سمجھ دار بہت ہے میرے خادم' بیوی اس راز سے باخبر کہ میں نے ماہ پری کو اپنی راہ پر لگانا چاہا اسی لئے ایک تیر سے وہ دو نشانے لگ سکیں گے۔ کرائے کے خادم کو عمر خان نے ایک بار پھر سے تقرب بخشنا شروع کیا۔ ایک دن عمر خان اپنے خادم کو ساتھ لے کر باہر آیا جب وہ گاؤں سے کچھ فاصلے پر پہنچے عمر خان نے احتیاط کی خاطر اپنے آس پاس دیکھا کہ کوئی دیکھ یا سن تو نہیں رہا۔ تب خادم کے ہاتھ میں ایک پڑیا تھما کر کہنے لگا کل کسی وقت حضورو کے پاس چلے جانا مگر خیال رکھنا کوئی تمہیں دیکھ نہ پائے۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنا خواہ مجھ ہی کو برا بھلا کہہ دینا جب اس کا اعتماد بحال ہو جائے حضورو یقیناً تمہاری خاطر تواضع چائے سے کرے گا۔ جب چائے پیالوں میں ڈالی جائے تب تم اس سے ایک گلاس پانی لانے کے لئے کہنا وہ پانی لانے کے لئے جائے تو چپکے سے یہ پڑیا اس کے پیالے میں ڈال دینا اس سے اس کی طبیعت معمولی سے خراب ہو گی مگر اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا تم چائے پی کر چل دینا۔ یہاں بھی یہ احتیاط کرنا کہ کوئی تمہیں دیکھ نہ لے۔ نہ ہی تمہارے پیروں کے نشان ملیں۔ پہلے کی طرح ندی میں کنکر پتھروں پر چلنا۔

خادم کو اس بات سے خاصی حیرت تو ہوئی مگر اپنے آقا اور وہ بھی عمر خان کا حکم جس سے دور

نزدیک سب ہی دبتے تھے وہ انکار نہ کر سکا ویسے بھی وہ خادم تھا اس کی بات رد نہیں کر سکتا تھا دل میں البتہ اسے خوب خوب کوستا رہا۔ بددعائیں دیتا رہا کہ تمہیں گولی لگے' اچانک پیٹ میں درد اٹھے مگر حکم ٹال نہیں سکا۔ ظہر کے وقت عمر خان کا خادم حضورو کی طرف روانہ ہو گیا جب کہ عمر خان گاؤں کے ایک اور اہم آدمی کے ہمراہ حضورو کے گھر سے کچھ دور اپنے کھیتوں کی طرف چلے۔ وہ دونوں آپس میں اس طرح گفتگو کر رہے تھے کہ عمر خان کے ساتھ گاؤں کے یہ بااثر شخص خادم کو حضورو کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھ لے۔ ہاں بھئی۔ کچھ دیر گذری تھی کہ عمر خان کا خادم اس گھر سے نکلا۔ گاؤں کے اس میر نے اسے نکلتے ہوئے دیکھا بیچارے خادم پر تو جیسے آسمان ٹوٹ پڑا عمر خان اس سے بھی اپنی چال چل گیا تھا۔ عمر خان اور اس کے ساتھی تو کھیتوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہوئے۔ خادم اپنے گھر کو ہو لیا مگر ایسے کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

حضورو چائے کی پیالی پی کر بے حال ہو رہا تھا۔ لڑکا ذہین تو تھا ہی وہاں سے یہ اندازہ لگا کر اٹھا کہ خادم نے کچھ کیا ہے۔ وہ گرتا پڑتا اپنے قریبی پڑوسی کے گھر تک جا پہنچا اس سے عمر خان کے خادم کے آنے اور تخریبی کھیل کھیلنے کی کہانی سنائی۔ پڑوسی نے فوری طبی امداد کے طور کچھ ٹونکے آزمائے اور بعد میں اسے ہسپتال پہنچا دیا۔ عصر کے وقت تک یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی عمر خان کو بھی کھیتوں سے لوٹنے پر بتایا گیا کہ خود تمہارے ہی خادم نے تمہارے داماد سے ایسی حرکت کی ہے۔ عمر خان فوراً ہسپتال پہنچا تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ تیر اپنے نشانے پر صحیح طور سے لگا ہے کہ نہیں۔ حضورو اس وقت تک بے ہوش تھا عمر خان سوچنے لگا کہ یہ تو اب گزر چکا ہے اب یہ کروں کہ خادم کے خلاف پرچہ درج کراؤں کہ اس نے میرے داماد کو زہر دیا ہے۔ شام ہونے سے پہلے ہی پولیس نے خادم اور اس کی بیوی کو گرفتار کر لیا۔ وہ بیچارے جتنا بھی واویلا کرتے رہے کہ اس کام کے لئے عمر خان نے خود ہدایت دی تھی مگر ان کی کون سنتا' بھلا خسر اور ساس داماد سے ایسا کر سکتے ہیں؟

مقدمہ عدالت میں پہنچا خادم کو لمبی سزا ہو گئی اسے جیل بھجوا دیا گیا اس کی بیوی البتہ بری کر دی گئی۔ عمر خان نے اسے اپنے گاؤں سے نکالا اور کہا جاؤ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ اس طرح ان بیچاروں کو اپنے ہوس کی بھینٹ چڑھا ڈالا۔ کہاوت ہے کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ حضورو بہت دنوں تک ہسپتال میں پڑا رہا۔ اس ہسپتال کے ڈاکٹر کی کوششوں سے اسے شہر کے کسی بڑے ہسپتال میں

منتقل کیا گیا تاکہ بہتر طور پر علاج ہو سکے۔ بہت بڑے عرصے کے بعد حضورو صحت یاب ہو کر ہسپتال سے باہر آیا اسے یقین تھا کہ خادم کو یہ سب کچھ کرنے کے لئے عمر خان نے ہی کہا ہے مگر وہ ایک اکیلا بڑا وقت کے شیطان کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ صحت یاب ہو کر وہ اپنے گاؤں بالکل نہیں پہنچا جس سے رشتہ ہوا تھا وہ تو باپ کے مرتے ہی کمزور پڑ گیا تھا عمر خان کی بیٹی اس سے منسوب تھی مگر عمر خان نے اپنی موت سے پہلے اسے کہیں اور بیاہ دے کر رخصت کر دیا اب وہ ایک بچی کی ماں بن چکی تھی۔ حضورو کے مال مویشی اور زمینوں پر عمر خان قبضہ کر چکا تھا۔ حضورو اس کا منتظر تھا کہ کبھی اپنی جائیداد اور زمینیں حاصل کر سکے مگر عمر خان کی زندگی میں یہ ممکن نہ تھا۔ حضورو اس شہر میں جانو خان جیسے ہمدرد محسن سے آشنا ہوا جسے وہ اپنے والد کی بجائے اور اس کی بیوی کو اپنی والدہ سمجھنے لگا اپنے دکھ اور مصیبتوں کی کہانی ان کو بھی سنائی وہ بھی اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہنے لگے جانو خان ہی کی کوششوں سے اس کے کسی افسر نے حضورو کو ریلوے ملازمت پر بھرتی کر کے فائر مین کی ملازمت دی تھی۔

باب ہشتم

دن گزرتے رہے وقت کا پہیہ گھومتا رہا۔ بہار گزری' ساون بھادوں بغیر برسے گزر گئے۔ بارشیں نہ برسنے سے علاقے میں قحط نے اپنی بھدی صورت دکھائی' مال مویشی چارہ نہ ملنے سے دبلے ہو کر رہ گئے۔ دن بھر ندیوں میں بھٹکتے بے زبان چوپائے چارہ اور پانی کی تلاش میں ہر ہر قدم پر گر گر پڑتے۔ مالدار اور چرواہے ایسے کمزور اور قریب المرگ جانوروں کو ذبح کر کے کھال اتارتے اتارتے بیزار ہو چکے تھے ایسے جانوروں کا گوشت ناقابل استعمال ہو چکا تھا کھال اتار کر گوشت گاؤں سے پرے کھائی میں پھینک آتے تا کہ گاؤں میں بدبو نہ پھیلے یہ وہ سال تھا جب گیدڑوں' بھیڑیوں اور گدھوں کے دن پھر گئے تھے۔ انہیں شکار کا غم ہی نہ رہا تھا۔ ہوا جس طرح سے بھی چلتی دھول اڑ کر آسمان کو گدلا کر دیتی۔ قحط اور خشک سالی نے علاقے میں ڈیرے کیا جمائے کہ لوگوں کے دلوں میں اچانک ہی خوف نے بسیرا کر لیا۔ ماضی میں جب خشک سالی پھیل جایا کرتی تو لوگ کہا کرتے۔ اب کے خدا خیر کرے کسی کا حق نہ مارا جائے۔ کسی کو بے سبب شہید نہ کیا ہو۔ اس مرتبہ بھی لوگوں کے دلوں میں اس طرح کا خوف جاگزیں ہونے لگا۔ پہلے زمانے کے لوگوں سے سنتے آئے تھے کہ اگر قحط یا خشک سالی ہو۔ مال مویشیوں پر قیامت ٹوٹ پڑے تو باور کیا جاتا کہ علاقے میں کسی کے ساتھ ظلم ہوا ہے کسی کو شہید کیا گیا ہو گا۔

برسات کے دن جب آ کر گزر گئے تو لوگ ناامید ہو کر رہ گئے کہ اب تو بارش برسنے کا موسم ہی نہیں رہا لوگ یہ علاقے چھوڑ کر نقل مکانی کر کے جانے لگے وہ لوگ جن کا گزر بسر مالداری پر تھا اپنے مال مویشی ہانکتے ہوئے سندھ کی جانب معہ عیال و اطفال منتقل ہو گئے جن کا پیشہ زمینداری تھا زمینوں کے

سیراب نہ ہونے پر اپنے بال بچوں سمیت کسی اور طرف کو نکل گئے تاکہ محنت مزدوری کر کے اپنے عیال کی پرورش کر سکیں۔ بالآخر ایسا ہوا کہ قرب و جوار بسنے والوں نے علاقہ ویران کر کے چھوڑا اور روز گار کے متبادل وسیلے تلاش کئے سبزل خان نے بھی چروا ہے کو اپنی ڈھور ڈنگر حوالے کئے اور سندھ کی طرف بھجوا دیا کہ بھوکوں مرنے نہ پائیں۔

میر سائیں داد جو بلا کا زیرک' چالاک اور سازشی ذہن کا مالک تھا اس کی ایسی خصلتوں سے اس کے علاقے کے لوگ اس سے دبتے تھے' دور بھاگتے تھے۔ نہایت منہ زور' زبان دراز شخص تھا جب ایک بار منہ کھولتا تو جو کچھ منہ میں آتا بک دیتا۔ اچھے اچھوں کی بولتی اس کے سامنے بند ہو جاتی کیا مجال کہ کوئی اپنی فریاد رسی کی اس سے امید رکھتا۔ فریادی خواہ کتنا ہی مظلوم کیوں نہ ہوتا وہ اسے دھو کر رکھ دیتا۔ میر سائیں داد بجا طور پر اپنے علاقے کا بے تاج بادشاہ تھا کسی کو جیل میں بند کراتا کسی کو مقامی طور پر قید کرا دیتا۔ اس سے پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔

اس خوفناک قحط کو اور علاقے کے لوگوں کی اپنے مال مویشیوں' ڈھور ڈنگر اور لواحقین کے ساتھ سندھ یا کسی دوسرے علاقے میں نکل جانے کو میر سائیں داد نے فال نیک جانا۔ سبزل خان کو اپنے راہ سے ہٹانے کا قدرت نے اسے بہتر موقع بخشا تھا بہت دنوں سے وہ اس تاک میں تھا کہ اپنے دشمن پر وار کرے کہ تاخیر سے علاقے کے دوسرے میر معتبرین کا اعتماد مجروح ہونے لگا تھا لوگ اس کی ذہانت اور پختہ کاری پر انگشت نمائی کرنے لگے تھے۔ اپنے علاقے کے بدنام اور جرائم پیشہ افراد کے علاوہ سندھ سے چوری چھپے آنے والے ڈاکو' رہزن اور قاتلوں کو پناہ دیتا اپنے گاؤں سے کچھ دور ایسے جرائم پیشہ افراد کے لئے ایک پناہ گاہ قائم کر رکھی تھی گاؤں والوں کو اس طرف جانے کی ممانعت تھی کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہاں کون آتا جاتا ہے اس نے لوگوں کے دلوں میں ایک نامعلوم خوف پیدا کیا تھا کہ وہاں جانے والے زندہ لوٹ کر نہیں آ سکتے۔ اس لئے کوئی ادھر کو نہ پھٹکتا۔ وہ ان بدقماش رہزنوں قاتلوں اور ڈاکوؤں سے چوریاں کرواتا اور ان کے ہاتھوں اپنے دشمنوں اور مخالفین کو قتل کراتا اس لئے کہ ان جرائم پیشہ افراد کی بڑی بڑی کمزوریوں سے واقف تھا اور انہیں اپنے مفاد میں استعمال کرتا یہی وجہ ہے کہ میر سائیں داد کے حکم سے وہ سرتابی کر نہ سکتے انہیں ڈر لگا رہتا کہ ہم نے اگر میر صاحب کی بات سے روگردانی کی وہ یا تو ہمیں پکڑ کر حکومت کے حوالے کر دے گا جہاں پھانسی کی سزا سے ہم بچ نہ سکیں گے یا پھر میر صاحب

کے زیر فرمان لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوں گے ان قاتلوں' رہزنوں اور لیٹروں پر میر صاحب کا خوف حاوی تھا اس لئے بھی کہ انہوں نے ایسے جرائم کئے تھے کہ مکافات کے عمل سے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ خدا کی مخلوق کو ستانے والے ابھی خیریت اسی میں دیکھتے کہ بلاچون و چرا میر سائیں داد کے مطیع و تابعدار رہیں۔

میر سائیں داد کو سبزل خان کا معاملہ نبیڑنے کا اچھا موقع ہاتھ آ چکا تھا۔ ان لوگوں کو جنہیں سبزل خان نے اپنے حسن سلوک' انسان دوستی اور اعلیٰ اخلاق سے بیداری بخشی تھی ان کی بہت بڑی تعداد گروہ در گروہ علاقے میں قحط پھیلنے کی وجہ سے نقل مکانی کر چکی تھی۔ سبزل خان کا کانٹا نکالنے کے لئے میر سائیں داد نے دانستہ یہ افوا پھیلائی کہ قحط اور خشک سالی کی وجہ سے علاقے میں چوری چکاری' مار دھاڑ' قتل و خون ریزی بڑھ چکی ہے۔ علاقے میں چور قاتل اور لیٹرے دندناتے پھر رہے ہیں لوگ ہوشیار رہیں۔ لوگوں کو اپنے چالوں سے اندھا بہرا بنانے کے لئے خود میر صاحب اور اس کے مصاحب چاروں طرف ان افواہوں کو پھیلاتے رہے۔

باب نہم

گھڑی کی گھنٹی کے چیخ اٹھنے پر جانو خان اپنے خیالوں کی دنیا میں چونک کر لوٹ آیا۔ اوہو! بہت وقت گذرا ہے بس اب تو ایک اور ٹرین پہنچنے ہی والی ہے جیب ٹٹول کر دمے کی ایک گولی نکال کر منہ میں ڈالی تاکہ یہ نامراد تنگ نہ کرے اب وہ اپنی جگہ سے اٹھا پاؤں سن ہو چکے تھے ایک ہلکا سا جھٹکا لگا دیوار کا سہارا لے کر گرتے گرتے بچا کچھ دیر پیروں پر کھڑا رہا تاکہ پاؤں اس کا وزن سہار سکیں۔ بعد میں جیکٹ کے بٹن لگائے اور خود کو محفوظ جان کر چادر اوپر سے لپیٹ لی۔ دروازہ کھول کر دیکھنا چاہا کہ باہر کی فضا کیسی ہے ہوا کی شدت برقرار تھی بادلوں کی ٹکڑیاں ہوا کے تھپیڑوں سے جنوب کی طرف کھسک رہی تھیں بارش اور برفباری تھم چکی تھی مگر ہوا پاگل ہو رہی تھی آدمی کے جسم کے چھیدے جارہی تھی۔ جانو جیسے دمہ کے مریض کے لئے پناہ گاہ سے باہر نکلنا قیامت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اس طوفانی سرد ہوا نے زمین پر گری ہوئی برف کو جما کر پتھر کی شکل دے رکھی تھی بارش کے قطرے تک برف کے اوپر بعینہ جم کر رہ گئے تھے جانو بتی ہاتھ میں لئے باہر آیا ادھر ادھر نظر دوڑائی ہر طرف ایک جیسا عالم تھا۔ برف نے ہر اک چیز کو سفید چادر تلے ڈھانک رکھا تھا جانو کو ایسا لگا جیسے ساری زمین اور سارے پہاڑ نسمے کے تھان میں لپٹے ہوئے ہیں جانو نے چند قدم اٹھائے جہاں پہلے پتھر اور گھاس پھونس تھا اب وہ ڈھک چکے تھے بتی کی روشنی میں اس نے نہایت غور سے دیکھا مگر برف سے ڈھکی ہوئی چادر نے ہر اونچ نیچ ہر ایک پتھر اور گڑھے کو برابر کر ڈالا تھا۔ برف کا اژدہا لمبی تان کر پڑا تھا وہ پلیٹ فارم کی جانب چل پڑا۔ اپنے راستے کو وہ بمشکل تلاش کر سکتا تھا برف نے ریلوے لائن اور اس کے آس پاس کرش کئے

ہوئے پتھروں کو چھپا دیا تھا بس ایک ہلکی سی لکیر نظر آ رہی تھی پہاڑ اور پہاڑیاں ایسے نظر آتی تھیں جیسے برف تراش کر بنائی گئی ہوں۔

جانو پلیٹ فارم سے نیچے اترا جلد جلد لمبے لمبے ڈگ بھرتا کانٹے کے قریب پہنچا ایک جھٹکے سے کانٹا بدل کر لائن کلیر اور تقریبا دوڑتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں سے انجن ڈرائیور کو سبز بتی کا اشارہ دیتا تھا سگنل کی گردن بھی ڈھلک چکی تھی۔ ٹرین بس اب پہنچنے ہی والی تھی اور آگے بڑھنے والی تھی۔ ٹرین کی گھڑگھڑاہٹ لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہی تھی اب سگنل کے قریب پہنچ چکی تھی جانو خان نے وہیں کھڑے کھڑے سبز بتی والا ہاتھ اس طرح بلند کیا کہ ڈرائیور لائن کلیئر کا اشارہ دیکھ سکے۔ انجن آہستہ آہستہ اسٹیشن میں داخل ہو رہا تھا۔ پٹڑی چونکہ برف سے ڈھکی ہوئی تھی ڈرائیور محتاط طریقے سے ٹرین آگے بڑھا رہا تھا تاکہ برف کی وجہ سے ٹرین ہر طرح کے حادثے سے محفوظ رہے۔ انجن کے پیچھے لمبی ٹرین جتی ہوئی تھی ہر لحظہ روبہ بلندی سے طاقت زیادہ صرف کرنا پڑتی ہے انجن پر آفرین کہ نہ صرف خود بلندی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بڑھ رہا تھا بلکہ ایک لمبی ٹرین بھی کھینچ رہا تھا۔ غالبا ڈبے خانے تھے انجن اپنی حدود پر اسٹیشن پر آ کر رک گیا جانو انجن کے پاس سے گزرا تو اسے دینو کھڑا مسکراتا ہوا نظر آیا۔

"ارے یار۔ دینو ہو تم؟" جانو نے پوچھا۔

"ہاں بھائی جانو' میں ہوں" دینو نے جواب دیا

"بھئی بہت بڑے عرصے کے بعد اس لائن سے گزرے ہو" جانو نے اس سے پوچھا

"بس خدا افسروں کے دل میں ڈالے۔ کیا کروں" دینو نے کہا

"کیوں کیا بات ہے تمہاری گفتگو اور طرح ہے" جانو نے پوچھا

"کیا بتاؤں بھائی جانو خان' کیوں میرے دل کے زخم کریدتے ہو۔" دینو کی باتوں سے افسردگی ظاہر ہو رہی تھی

"یار دل بڑا رکھو۔ توکل خدا سے اچھی ہے۔" جانو اسے تسلی دینے لگا۔

"یار خدا بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ میری تو زندگی مصیبتوں میں ڈال رکھی ہے۔" دینو بتانے لگا

"ہاں۔ مجھے تمہاری حالت کی خبر ہے۔ بھلا ان افسروں کو کیا ملتا ہو گا تمہیں مبتلا کر کے" جانو نے بھی افسردگی سے کہا

"یار تجھے تو ساری باتوں کی خبر رہتی ہے ابھی جب ہٹ میں جا کر بیٹھ گے تو اس پہ سوچنا۔ انہوں نے میرے لئے کوئی راستہ نہیں چھوڑا۔ ابھی تو میں جلدی میں ہوں وقت کم ہے۔ کل میرا آف ڈے ہے۔ ہاں پرسوں جب آؤں گا تو مجھے مشورہ دینا کہ کیا کروں۔ اب تم ہی دوست کوئی سبیل نکال سکتے ہو۔ تم بھی اور شامو بھی دونوں بیٹھ کر میرے لئے سوچو۔ کیا میں ملازمت جاری رکھوں یا ریٹائرمنٹ لے لوں۔ میرا تو کلیجا پھٹ رہا ہے۔" دیو نے اپنی چتا سنائی

اسی میں دیو کا انجن زپ زپ کرتا اسٹیشن سے آگے بڑھ گیا۔

باب دہم

ٹرین جا رہی تھی اور جانو اسٹیشن پر کھڑا کسی قدر محویت سے بوگیوں کی قطار دیکھ رہا تھا اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی صحرا میں اونٹوں کی قطار ہو۔ دیو کی باتوں سے جانو افسردہ ہو کر رہ گیا تھا۔ جسم کو چھیدنے والی سرد ہوا میں نہ معلوم کتنی دیر کھڑا تھا اسے یوں لگا جیسے سردی اس کے پیروں میں سرائت کر چکی ہو' دوبارہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنی ہٹ میں پہنچا۔ جوتوں کی آواز برف میں گھٹ اور دب کر آ رہی تھی۔ نشیب میں بولان ندی میں سیلابی ریلے کے بہنے کا شور اس آواز میں گھل مل رہا تھا۔ یہ ہٹ جانو' شامو اور کئی دوسرے ساتھیوں کے لئے زندگی کا ایک حصہ بن چکا تھا زندگی کی ہزاروں راتیں ان بیچاروں نے اسی تنگ کوٹھڑی میں بسر کی تھیں۔ یہی اسٹیشن' یہی پلیٹ فارم' کانٹے' بتیاں' جھنڈیاں' موافق اور ناموافق موسم بہت سے دوسرے رنگ ان کے قدموں تلے گزر چکے تھے جانو کو اسٹیشن کی ہر ایک چیز سے محبت تھی ہر ایک چیز کی جان سے بڑھ کر نگہداشت کرتا تھا۔ کوٹھڑی میں پڑی ہوئی پرانی اشیاء' پرانا تخ اس کے نزدیک قوم اور ملک کی گرانقدر امانتیں تھیں جنہیں وہ پھینک دینے یا جلا دینے کا روادار نہ تھا وہ خود بھی اور اس کے دوسرے ساتھی ایماندار لوگ تھے۔ کبھی بھی قومی وسائل اور امانت کو اپنے کام میں لانے کی بات سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ ملک اور قوم کی آن بان محنت' دیانت عرق ریزی اور ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دینے سے ہی قائم رہ سکتی ہے۔ صرف وہی افراد اور اقوام ترقی کرنے اور شہرت کے قابل ہوا کرتی ہیں جو محنت اور لگن سے اپنے فرائض پہچان کر عمل کریں اگر قوم کے افراد صرف کام نکالنے وقت کی پابندی نہ کرنے' رشوت اور بدعنوانی کو عیب نہ سمجھنے لگیں تو قوم کا تشخص دھندلا کر رہ

جاتا ہے۔ اس کی ترقی محل نظر بن جاتی ہے۔ جانو ان لوگوں میں سے تھا جو اطمینان سے پاؤں پسارنے کی بجائے پسینہ بہانے کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔ لوگ اس کی عزت کرتے تھے اور افسر عموماً اس کی بات کو رد نہ کرتے اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص غلط بات پر اصرار نہیں کرتا' قومی حمیت اور سچائی اس کا شعار ہے۔ اسی لئے ٹرین کی روانگی سے پہلے دینو نے جانو سے کہا تھا بھائی آپ کچھ سوچیں میرے لئے کون سا راستہ رہ گیا ہے۔ افسروں نے میری زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ میرا سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ سچ بات کہتا ہوں خواہ کسی کو بھلا لگے یا برا لگے۔ جانو اسی افسردگی میں دروازہ کھول کر کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ لپیٹی ہوئی چادر الگ کر کے ایک طرف ڈال دی۔ بتی ایک طرف رکھی۔ دینو کی باتیں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں۔ اسٹوو میں کوئلے کے چند ڈلے ڈال کر کیتلی کی طرف ہاتھ بڑھاتے وہ سوچ رہا تھا یہ میری ڈیوٹی کے دوران آخری ٹرین تھی۔ میری ڈیوٹی کے دوران اب کوئی اور ٹرین نہیں آنے کی۔ البتہ مجھے صبح تک رہنا ہے تاکہ دوسرا ساتھی ڈیوٹی کرنے آ جائے۔ کیتلی میں پانی ڈال کر اسے اچھی طرح کھنگال کر ٹونٹی میں پانی بھر کر پھونک ماری تاکہ الائچی وغیرہ اس میں پھنس کر نہ رہ جائے۔ چائے کے لئے پانی اسٹوو پر رکھ دیا۔

جانو کو قدرت نے بہت بڑا دل اور بڑی برداشت کا مالک بنایا تھا۔ اسے بار ہا مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا دل کا دھنی ہونے کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ جب کوئی دوسرا اپنے دکھوں کا اظہار اس کے روبرو کرتا جانو اس کی ڈھارس اور ہمت بڑھایا کرتا وہ ہر ایک کے دکھوں میں شریک تھا نہایت بے لوث' نہایت بے غرض جانو کی اپنی زندگی میں بہت سے دکھ تھے وہ بہت سی مصیبتیں جھیل چکا تھا۔ تب ہی تو اسے دوسروں کا دکھ سن کر ہمدردی ہوتی اور یہی کوشش کرتا کہ کسی کے کام آ سکے۔ اس اسٹیشن پر عرصے سے وہ تعینات تھا بہت سے اسٹیشن ماسٹر آئے اور گئے بہت سے لوگ یہاں سے ہی ریٹائرڈ ہو کر گئے کسی نے بھی جانو خان کی انسان دوستی' اچھائی اور معقولیت نہیں بھلائی کسی کو بھی اس سے گلہ شکوہ نہ رہا۔ ہر شخص اس کی عزت کرتا تھا۔ سیر چشم تھا۔ لالچ اسے چھو کر بھی نہیں گذری تھی جتنی تنخواہ ملتی تھی اسی میں صبر و شکر سے گزر بسر کرتا۔ اسٹیشن ماسٹروں میں نبی داد کا وہ معترف تھا غالباً نبی داد میں وہ اپنے ہی کردار کی جھلک پاتا تھا۔ نبی اس اسٹیشن پر کچھ وقت رہ کر گیا تھا اس مختصر عرصے میں اپنے اوصاف کی وجہ سے ہر شخص میں مقبولیت پا گیا تھا۔ سب اسے جان سے بھی عزیز رکھتے تھے۔ نبی داد

کا ایک بیٹا تھا جس کا نام حنیف تھا یہ لڑکا بھی معقول اور تعلیم کی طرف راغب تھا۔

جانو خان کی کیتلی میں پانی اب ابلنے لگا تھا کیتلی کا ڈھکنا اٹھا کر چائے کی پتی ڈالی اور جب چائے تیار ہو گئی تو گڑ کی ایک ڈلی منہ میں رکھ کر چائی کی پیالی سے چسکیاں لینے لگا۔ دیتو کی دکھ بری باتیں اس کے دل میں خنجر کی طرح گھڑ چکی تھیں۔ اگرچہ وہ چائے کی چسکیاں لے رہا تھا مگر دیتو کی غم نصیب زندگی کی کہانی میں گردن تک ڈوبا ہوا تھا۔ دیتو کیسا اچھا اور کتنا پیارا جوان ہے بس افسروں کو اس کی راست گوئی سے چڑ تھی۔ دیتو بیچارہ نہ تو چور ہے نہ ہی چور کا ساتھی۔ جان جائے مگر خدا لگتی کہنے سے باز نہیں آ سکتا کسی کی رضا جوئی یا ناراضگی کی پروا نہیں کرتا۔ تھوڑی سی جذباتیت البتہ اس میں موجود ہے اس طرح کی جذباتیت کا مظاہرہ وہ اس موقع پر کرتا ہے جب کوئی اس سے غلط کام لینے کی خواہش ظاہر کرے۔ جانو کو دیتو کی یہی راستبازی بہت پسند تھی وہ کہتا تھا حمایت بھائی کی کرنی چاہئے مگر بات وہ کی جائے جو خدا کو اچھی لگے۔ دیتو کا مزاج بالکل جانو کی طرح تھا اس لئے جانو اس سے محبت کرتا تھا اس کا احترام کرتا تھا جو شخص خود اوصاف مردانگی سے بہرہ یاب ہو وہ اس طرح کے دوسروں مردوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

دیتو کا ایک افسر تھا جس نے ریلوے اسٹور سے کچھ سرکاری سامان چرا کر دیتو کو دے کر کہا اس کے گھر پہنچا دے۔ دیتا کب یہ کام کر سکتا تھا اس نے افسر کو کھری کھری سنائیں۔ دیتو نے کہا صاحب میں نہ چور ہوں نہ ہی چور کا یار۔ آپ کو چوری کا سامان دینا ہے تو کسی اور کو تلاش کریں۔ ہاں میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ کل کلاں اگر کس قسم کی پوچھ گچھ ہوئی تو میں پہلا آدمی ہوں گا کہ آپ کے خلاف بیان دوں۔ آپ کو کس چیز کی کمی ہے اتنی بڑی تنخواہ ہے مجھ جیسے چار آدمی آپ گھر پر ملازم رکھ سکتے ہیں۔ اس کے باوجود لالچ میں مبتلا ہیں۔ کس کے لئے یہ دولت سمیٹ رہے ہیں؟ کس کے لئے اپنے ضمیر کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ ایک میاں بیوی اور بس کیوں اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں کیا آپ کو اس وطن سے محبت نہیں کہ اس کی دولت پر یوں ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ خدا کا خوف کریں خود پر اور اس ملک کے عوام پر رحم کھائیں یہ سامان عوام کے ٹیکس سے خریدا جاتا ہے یہ عوام کی سہولت اور ضرورت کے لئے ہیں۔ آپ اسے اپنے ذاتی فائدے کے لئے خرد برد کر رہے ہیں۔

یہ افسر نیا نیا آیا ہوا تھا اسے دیتو کے مزاج اور کردار سے واقفیت نہ تھی وہ اسے ایک سادہ لوح دیہاتی سمجھتا تھا شاید اسی غلط فہمی میں اس افسر نے یہ اقدام کیا تھا۔ پہلی مرتبہ اسے ایک کھرے آدمی سے

واسطہ پڑ رہا تھا- اپنی ملازمت کے دوران پہلی بار اسے زہر کا پیالہ پینا پڑ رہا تھا- یہ کہاوت سچ ہے کہ چور میں جرات ایمانی نہیں ہوتی افسر خاموش ہو رہا- دینو سے کہنے لگا نہیں لے جانا چاہتے نہ لے جاؤ مگر اپنی زبان قابو میں رکھو کچھ اور کہا تو اچھا نہیں ہو گا- تم کیا سمجھتے ہو میں بے ایمان ہوں- "تو کیا میں آپ کے لیئے چوری کروں-" دینو نے اس سے کہا- افسر نے یہ سوچ کر یہ آدمی مجھے رسوا نہ کر دے لوگوں کے سامنے مجھے ننگا نہ کر ڈالے اسے جھڑک کر دفتر سے نکل جانے کو کہا- دینو اپنے افسر کے دفتر سے نکل آیا مگر دل پر بوجھ لئے ہوئے اسے معلوم تھا کہ یہ افسر دل کا برا آدمی ہے- یہ اپنا بدلہ نہیں چھوڑے گا اس لئے دینو نے اپنی ڈیوٹی میں بہت زیادہ احتیاط کرنا شروع کی- وہ سوچتا تھا میں چور نہیں ہوں کوئی اور غلط حرکت نہیں کرتا- ہاں یہ ضروری ہے کہ وقت پر ڈیوٹی کرنے پہنچ جایا کروں وقت پر چھٹی کر لوں تاکہ افسر اس سے فائدہ اٹھا کر کوئی بہانہ نہ بنائے- میری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ میں اسے خود پر حملہ آور ہونے کا موقع نہ دوں-

دینو کے اس افسر نے بڑی کوشش کی کہ ادھر ادھر سے کوئی ایسا بہانہ ہاتھ لگ جائے کہ وہ دینو پر ہاتھ ڈال سکے- اسی اسٹور کے دو ایک آدمیوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہوئے ان سے کہا دینو کی کسی کمزوری کا پتہ لگا کر اسے بتائیں مگر ان سب نے اس افسر سے کہا دینو بلا شبہ ایک کھرا آدمی ہے- چوری چکاری میں وہ نہیں پڑتا ڈیوٹی پر اپنے وقت پر آتا ہے ایمانداری سے اپنا کام کرتا ہے یہ مناسب نہیں کہ ہمیں اس کے خلاف ملوث کریں- جب اس افسر کو بڑی مایوسی ہوئی تب ایک ہی راستہ اسے نظر آیا کہ اس اسٹور سے دینو کو نکلوا ڈالے یہ دینو کی بھی کمزوری تھی کہ وہ ملازمت کے سلسلے میں باہر جانا نہیں چاہتا تھا وہ کہتا تھا فجر سے لے کر عصر تک مجھ سے باربرداری کے جانور کی طرح کام لیجئے لیکن اس کے بعد مجھے اجازت ملے کہ اپنے گھر جا سکوں- کسی نے اس افسر کے کان میں یہ بات ڈال دی اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے اوپر سے دینو کے لئے احکامات حاصل کر کے اس کی ڈیوٹی کوئلے سے چلنے والے انجن پر لگوائی کہ جا کر جھک مارتا پھرے- رات دن بیلچہ چلا کر کوئلہ بھرنے سے ہاتھ شل ہو کر رہ جائیں- اب دیکھوں گا وہ کتنے پانی میں ہے کوئلہ پھانکنے جاتا ہے کہ نہیں- رات دن اب دھواں سونگھے یا پھر بھاگ کھڑا ہو جائے- دینو کو ان تمام باتوں کی خبر مل چکی تھی وہ صاحب کے دفتر میں داخل ہوا اس سے کہنے لگا جناب آپ جو کچھ کر سکتے تھے آپ نے کر لیا اور کس بات پر اتراتے ہیں مجھے اگر ملازمت کرنی ہے تو

یہ بھی کر لوں گا اگر نہیں کرنی تو آپ سے مشورہ کرنے نہیں آؤں گا۔ میں چور نہیں نہ ہی چور کا یار ہوں مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میں آڑے آیا اور آپ کو چوری کرنی سے باز رکھا میں نے اپنے وطن اور اپنے عوام کی خیر خواہی کی ہے گو یہ مجھ پر بھاری پڑ گئی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ چوری کی تحقیقات کی جاتی جو کوئی چوری میں ملوث تھا اسے ملازمت سے برطرف کیا جاتا جیل کی ہوا کھلاتے۔ اس اسٹور کے ہر آدمی کو معلوم ہے کہ آپ چور ہیں مگر انصاف نہیں ہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں مجھے جہاں بھیجا جائے گا میرا وطن ہے میں جہاں رہوں مجھے تو کام کرنا ہے البتہ آپ سے درخواست ہے کہ اس غریب ملک کے مظلوم عوام کی چیزیں اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے نیلام نہ کریں۔ یہ سب چیزیں ہماری قوم کے خون پسینے کی کمائی سے حاصل کی گئی ہیں اگر ہم میں سے ہر ایک چوری پر کمر باندھ کر اپنا فائدہ سوچے تو اس غریب عوام کا مستقبل تاریک ہو کر رہ جائے گا ہم اپنے معمولی فائدے کے لئے سینکڑوں کی دولت لٹائیں یہ قرین انصاف نہیں۔

یہ باتیں کہہ کر ڈپو افسر کے دفتر سے نکلا اور بڑے صاحب کی خدمت میں پیش ہو کر عرض کی کہ میرے کاغذات تیار فرمائیں مجھے اسی وقت ملیں تاکہ میں اپنی نئی تعیناتی کی جگہ پہنچ جاؤں۔ ڈپو کے کاغذات پہلے سے تیار تھے افسر کے دستخط بھی ہو چکے تھے ڈپو کاغذات لے کر روانہ ہوا اور دوسرے دن ریلوے ہیڈ کوارٹرز میں جوائنگ رپورٹ کرتے ہوئے وہاں سے احکامات ملے کہ فلاں انجن کے ڈرائیور کا فائر مین ہے وہیں تمہیں ڈیوٹی کرنی ہے۔

باب یازدہم

جس انجن پر ویتو کی تقرری عمل میں لائی گئی تھی وہ انجن صبح جا کر شام کو پھر لوٹ آتا اور ویتو اپنے گھر رات گزارتا۔ دوبارہ انجن کے آنے پر وہ خود کو ڈرائیور کے پاس پہنچاتا۔ ویتو نے انجن ڈرائیور سے کہا مجھے آپ کے انجن پر ڈیوٹی کرنے بھیجا گیا ہے یہ صاحب ویتو کی سادگی پر بہت خوش ہوئے ڈرائیور نے پہلے دن ویتو سے کہا اب تم گھر جاؤ کل شام کو آ جانا بات چیت کریں گے میں بھی اب شیڈ میں جا کر انجن ٹھہراتا ہوں کل پھر ملیں گے یہ انجن ڈرائیور انجن کا کوئلہ چوری چھپے بیچا کرتا تھا ویتو کو دیکھ کر خوش ہوا کہ یہ سادہ لوح اور بدھو آدمی میرے کام کے لئے بالکل ہی موزوں ہے ہر پھیرے میں دو چار بوریاں کوئلے کی بیچ سکوں گا۔ یہ اس لئے بھی کہ اس کا پہلا فائر مین خود چور تھا اور کوئلہ چرا کر بیچا کرتا۔ دوسری صبح ویتو مقررہ وقت پر اپنی ڈیوٹی پر آ کر پہنچ گیا۔ ڈرائیور بھی چند لمحوں بعد آ گیا۔ انجن کو چیک کرنے کے بعد شیڈ سے نکال لائے تاکہ مال گاڑی میں جوت سکیں ویتو اپنے کام میں جت گیا بیلچے سے کوئلے کے بڑے بڑے ڈلے تھوڑ انجن کی بھٹی میں جھونکنے لگا۔ ڈرائیور اس کی محنت دیکھ کر بہت خوش ہوا ویتو سے کہنے لگا بھائی ان بڑے بڑے ڈلوں کو نہ توڑیں بلکہ ان کو ایک طرف رکھتے جائیں ویتو نے اس کی بات مان لی اسے معلوم نہیں تھا کہ بڑے بڑے ڈلوں کو چھانٹ کر الگ رکھنے سے استاد کا مقصد کیا ہے۔ راستے میں انہوں نے کھانا کھایا ویتو اپنی گھر سے کھانا لایا تھا وہ بھی سامنے رکھا استاد کہنے لگا آئندہ اپنے گھر سے کھانا نہ لائیں اسٹیشن سے لے کر کھایا کریں گے۔"

"میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ اسٹیشن سے کھانا خرید کر کھایا کروں۔" ویتو نے اسے بتایا

"ارے یار! تم اس کی پروا مت کرو۔ پیسہ بہت ملے گا۔" ڈرائیور کہنے لگا۔

"پیسہ کیا آسمان سے برسے گا۔ ہماری تنخواہ تو گھر کے خرچ کو پورا نہیں کر سکتا۔ آپ کی تنخواہ ضرور زیادہ ہے مگر آپ کے گھر کھانے والے بھی تو بہت ہیں۔" دینو نے حیران ہوتے ہوئے یہ جواب تو دیا مگر اسے اندازہ ہوا کہ جناب نے چوری کا ایک نہ ایک راستہ اپنایا ہو گا۔

"یار دینو! سردی ہو یا گرمی دن رات محنت کرتے ہیں بغیر کھائے پیئے بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ استاد نے کہا استاد کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر دینو نے بیلچہ اٹھا کر کوئلہ جھونکنا شروع کیا جہاں تک اس گڈس ٹرین کو جانا تھا وہ جا پہنچے۔ وہیں سے انجن کا منہ پھیر کر نئی ٹرین جوڑ کر واپس روانہ ہوئے استاد ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا مگر کوئلہ بیچنے کے سلسلے میں اس سے کچھ نہیں کہا۔ شاید اس خیال سے کہ اب تک نیا آدمی ہے ایسا نہ ہو کہ بھید کھل جائے بس اپنی ملازمت کے دوران تکالیف کا ذکر کرتا رہا ان تکالیف کے پردے میں شاید وہ دینو سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر چند ڈلے کوئلے کے سرکا بھی لیں تو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ دینو کو ان صاحب کے طور طریقے پسند نہیں آئے مگر کرتا بھی کیا دو ہی تو دن گزرے تھے کہ اس انجن پر ڈیوٹی لگی تھی۔ ڈرائیور نے بھی دینو سے اس کی رام کہانی سن رکھی تھی دینو نے قصداً اپنے سابقہ افسر کی چوری کا اس سے ذکر نہیں کیا وہ ایسی غیبت کو ناپسند کرتا تھا۔ سوچنے لگا ان کے سامنے اس افسر کی برائی کیوں کرے۔

انجن ڈرائیور اندر سے بزدل تھا دل کی بات زبان پر لانا اسے مشکل تھا۔ اس نے سوچا کوئلے کے بڑے بڑے ڈلے تو چھانٹ کر رکھ ہی دیئے ہیں دوسرے پھیرے میں دینو کے مزاج کا پتہ بھی چل سکے گا تب اس سے بات ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کوئلے کی چوری کے سلسلے میں اس نے دینو سے کچھ نہیں کہا جب وہ اپنی منزل پر پہنچے استاد نے گھر کا راستہ لیا۔ دینو رک گیا تاکہ ضروری کام تمام کر کے کل کے لئے انجن تیار ملے۔ استاد نے جو جو کام بتائے تھے اس نے ہیڈ مکینک کو بتائے اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ دینو کے بچوں نے باپ کو دیکھا تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اس لئے کہ دینو نے گھر سے باہر کبھی بھی رات نہیں گزاری تھی بڑی بیٹی شہر بانو باپ سے لپٹ گئی اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملانے لگے دینو ان سے کہنے لگا کیوں ایسی بیقرار دکھائی جا رہی ہے کیا میں کسی لام میں گیا ہوا تھا وہ لوگ کیا کرتے ہوں گے جن کے باپ بھائی اور شوہر سالہا سال باہر رہتے ہیں۔

"خدا غارت کرے تمہارے اس افسر کو جس نے تمہارا تبادلہ کر دیا-" چور کے بیٹے نے شہر بانو بولی- ریٹو اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا مگر اور کچھ کہا نہیں-

"میرے ہاتھ لگ جاتا تو اس کی بوٹیاں نوچ لیتی اور کتوں کو کھلا دیتی تاکہ دوسروں کو عبرت مل سکتی-" شہر بانو کہنے لگے-

"نہ میری ماں- ایسی باتیں نہ کیا کر- کچھ نہیں ہوا- یہ بھی زندگی کا ایک حصہ ہے-" ریٹو نے اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا-

"نہ بابا- آج کی دنیا میں ایمانداری کا بدلہ ایسا ہی ملتا ہے- ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس کا تبادلہ کر دیا جاتا مگر آپ کو تبدیل کر دیا گیا- کیا اس لئے کہ آپ غریب ہیں' کمزور ہیں اور افسر کے ہاتھ لمبے ہیں جن کے چاچے مامے اوپر بیٹھے ہیں-" شہر بانو کا غصہ آسمان کو چھونے لگا-

"اپنے دل اس طرح چھوٹے مت کرو- من ایسا میلا کرنا ٹھیک نہیں- تم تو اشرف خاتون جیسی شیرنی کے نواسے ہو کہ کسی کو ان کے سامنے منہ کھولنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی-" ریٹو نے جب یہ کہا اس کا دل قابل احترام ماں کی یادوں سے لبریز ہو کر رہ گیا بمشکل اپنے آنسو روک سکا تاہم آنکھیں چھلک آئیں- بانو کا ہاتھ تھام کر گھر میں داخل ہوا بچوں نے اور ان کی ماں نے ریٹو کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس سے جانے آنے کی باتیں پوچھنے لگے- ریٹو نے ان سے وہ تمام واقعات بیان کئے-

ریٹو نے آج شہر بانو کو پہلے مرتبہ غور سے دیکھا تھا قریب سے دیکھ کر اسے پتہ چلا کہ بانو اب بڑی ہو گئی ہے جوانی کی دہلیز پر پہنچ چکی ہے اسے جانو خان کی وہ بات یاد آئی جب اس نے ریٹو سے کہا تھا کاش میری کوئی بیٹی ہوتی میں حضورو کو اپنا داماد بناتا-

ریٹو کا استاد جب اپنے گھر کے قریب پہنچا تو اسی افسر سے سر راہ ملاقات ہو گئی جس کے کہنے پر ریٹو کو اسٹور سے نکالا گیا تھا- ریٹو کے استاد اور اس افسر کے گھر ایک دوسرے سے کچھ ہی فاصلے پر تھے- استاد اس کے گھر کے پاس سے ہو کر گزرا کرتا- ریٹو نے اپنے استاد سے یہ کہہ دیا تھا کہ انجن پر ڈیوٹی لگنے سے پہلے وہ سرکاری اسٹور میں کام کرتا تھا- استاد کو دل نے چین لینے نہیں دیا علیک سلیک کے بعد باتوں باتوں میں کسی طرح ریٹو کے بارے میں معلومات کرنا چاہیں تاکہ چوری کرتے ہوئے ریٹو اس کے آڑے نہ آ سکے-

"جناب' کیسے ہیں آپ' باہر جا رہے ہیں- کیا سیر کو؟" استاد نے پوچھ لیا

"ہاں کام کرتے کرتے تھک گیا تھا کچھ دیر آرام کیا- اب باہر نکلا ہوں ہوا میں تازہ دم ہونے کے لئے-" افسر نے کہا

"کیا ٹرین کی ابھی واپسی ہوئی ہے؟" افسر نے استاد سے پوچھا

"جی ہاں- ابھی شیڈ ہی سے ہو کر آ رہا ہوں-" استاد نے جواب دیا

"کیوں انجن تو اچھی حالت میں ہے ناں؟" افسر نے دریافت کیا

"بس جناب کیا بتاؤں' انگریزوں کے زمانے کا انجن ہے بہت پرانا- یہ تو میرا ہی حوصلہ ہے اسے گھسیٹ رہا ہوں ورنہ کب کا ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتا-" استاد شیخی بگھار کر کہنے لگا

"بلاشبہ یہ تو آپ کی محنت اور ایمانداری کا ثبوت ہے ورنہ ایسا پرانا انجن کب کا ٹھپ ہو چکا ہوتا-" افسر نے استاد کی ہانکتی ہوئی بڑ کو اور بھی لقمہ دیا

"کریں بھی کیا- حضور بچوں کا رزق اسی سے بندھا ہوا ہے- ایک آدھ بوری اس سے ہاتھ لگ جاتی ہے بچوں کا گذارہ ہو جاتا ہے-" استاد اسے بھی اپنے رنگ میں رنگا ہوا سمجھ کر یہ کچھ کہہ گیا- ایک کہاوت ہے کہ چور کی قبر دور ہی سے پہچانی جاتی ہے اور یہ تو زندہ چور تھا جو سامنے ہی کھڑا تھا-

"اچھا کرتے ہیں- یہ فرمایئے آپ کا فائر مین کون ہے" افسر پوچھنے لگا-

"وہی دیپو ہی تو ہے جسے آپ کے اسٹور سے ہماری طرف بھجوا دیا گیا ہے-" استاد بتانے لگا

"توبہ کریں اس کے سامنے ہاتھ روک کر رکھیں- مجھے اس نے سبق دے رکھا ہے وہ آپ کو بارہ پتھر باہر نہ کرا دے مجھے پورے اسٹور میں بدنام کر کے رکھ دیا- اس کی خاموشی اور سادہ لوحی پر نہ جائیں- خدا نے اس کے منہ سے نوالہ چھین لیا ہے وہ دوسروں کے لئے بھی روا دار نہیں ہے- خوانخواستہ آپ سے کوئی لغزش ہوئی تو قیامت تک یہ داغ دھل نہ سکے گا-" افسر دیپو سے بری طرح جلا بھنا ہوا تھا اسے وار کرنے کا موقع ہی تو مل گیا تھا-

"ارے- بہت اچھے موقع پر آپ نے بتا دیا- مگر اس نے تو مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے-" استاد نے بتایا

افسر نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا- میں نے آپ کو وقت آنے سے پہلے خبردار کر دیا ہے- دیپو

خود کو اس ملک کا بہت بڑا خیر خواہ سمجھتا ہے۔ ازلی بھوکا ننگا۔ ماں کے کرتے پر پچاسوں پیوند' باپ کا دامن بری طرح چاک بیٹا بن بیٹھا پاک۔ بچوں کو نہ اچھا کھانا نصیب نہ اچھا پہناوا مگر اس کے دل میں سارے جہان کا درد سمایا ہوا ہے۔ نچلے اور کمزور طبقات سے آئے ہوئے لوگ ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔" افسر کو تو جیسے دینو نے بچھو بن کر کاٹا تھا۔ ڈرائیور بھی یہ باتیں سن کر افسردہ خاطر ہوا گھر تک پہنچتے پہنچتے وہ سوچ چکا تھا کہ دینو کا پتہ کاٹنا ہے۔ یہ تو میری روزی میں لات مارنے آیا ہے۔ بس دو ایک دنوں میں اسے کسی نہ کسی طرح انجن سے بھگا دوں گا۔

دوسرے پھیرے میں استاد دینو کے ساتھ معمول کے مطابق خوش گپیوں میں مصروف رہا۔ چنانچہ وہ دونوں گئے اور آرام سے لوٹ آئے۔ کوئلے کے بڑے بڑے ڈلوں سے انجن کا وہ کونہ پہاڑی تودہ بن گیا۔ اب کی مرتبہ استاد نے دینو کو پہلے گھر جانے دیا اور اسی رات کو کوئلے کی پانچ بوریاں بھر کر کسی کے ہاتھ بیچ آیا۔ خریدار سے کہا میں جب شام ڈھلے انجن شیڈ میں لے جا کر ٹھہراؤں تو فلاں مقام پر آ کر کوئلہ اٹھا لے جانا۔

استاد کچھ دنوں تک تو چوری چھپے اپنا کام چلاتا رہا مگر اسے دینو اور پولیس سے برابر ڈر لگا رہا۔ دینو بھی اس کی یہ حرکت جان گیا مگر وہ بیچارہ خاموش رہا۔ ایک موقع پر تو پولیس نے چوری کے الزام میں ڈرائیور کو دھر لیا تھا مگر وہ بال بال بچا اب اس کے لئے اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا سوائے اس کے کہ دینو کا تبادلہ کرا دے۔ ڈرائیور نے ایک پھیرے میں دینو کے سابق افسر کے لئے پانچ سیر دیسی گھی اور دو سیر چاولوں کا تحفہ اس کے گھر پہنچایا بعد میں اس سے درخواست کی کہ اس دینو کے عذاب سے اسے چھٹکارہ دلائے۔ وہ تو میرے پیٹ پر لات مارنے لگا ہے۔ میں اس کے ڈر سے راتوں کو کوئلہ بیچا کرتا ہوں اس رات تو میں پولیس کے ہتھے چڑھنے سے بال بال بچ سکا۔"

"یہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ ہاں یہ بتائیں کہ گھی اور چاولوں کا تحفہ اسی ایک دن کے لئے ہے یا یہ مستقل ملتے رہیں گے۔ افسر نے کہا استاد کی تو سٹی بھول گئی کہ یہ بیٹھے بٹھائے حصے دار کہاں سے نکلا۔ سوچنے لگا اگر دینو سے چھٹکارہ مل جائے تو پھر اس سے نبٹنا مشکل نہیں۔ افسر سے کہنے لگا۔

"خدا اچھا ہی کرے گا۔ آپ فکر نہ کریں مجھے کچھ کھانے کو ملا تو آپ بھی کھا لیں گے۔"

دو تین دنوں کے بعد دینو کو کسی اور طرف دھکیل دیا گیا۔ دینو نے اس کی پروا نہ کی اسے تو کام

کرتا تھا اور اپنے بچوں کو رزق حلال کھلاتا تھا البتہ اس کام میں دیتو کا دل لگ گیا تھا اس لئے کہ وہ یہ کام سیکھ لینے کے بعد انجن ڈرائیور بھی بن سکتا تھا۔ اسے اس کام کا شوق بھی تھا۔ کچھ دن ادھر ادھر دھکے کھاتا رہا بالآخر اسے ایک ایماندار انجن ڈرائیور نے اپنے ساتھ فائر مین بنا لیا۔ اب دیتو بہت خوش تھا اس کی عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی وہ انجن ڈرائیور بننے میں کامیاب ہو جائے گا۔ تاہم وہ افسر اب تک اس کا پیچھا کر رہا تھا اس کے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی کہ کسی نہ کسی عنوان سے دیتو پر چوری کا کیس بنواؤں تاکہ پنشن سے محروم ہو کر رہ جائے۔

اس افسر نے دیتو کے کوارٹر کے قریب رہنے والے ایک پڑوسی کو سازش میں اپنے ساتھ ملا لیا اس سے کہا تم رات کی تاریکی میں اپنا کچھ گھریلو سامان چپکے سے دیتو کے گھر کے آنگن میں ایسے چھپا کر رکھ دو کہ کسی کو نظر نہ آئے مگر خیال رہے کہ یہ عمل تب کرنا جب دیتو شام ڈھلے گھر لوٹ کر آئے۔ احتیاط کی بہت ضرورت ہے۔ دوسرے دن صبح پولیس میں رپورٹ درج کرانا کہ میری فلاں فلاں چیزیں چوری ہو گئی ہیں مجھے دیتو پر شک ہے۔ پولیس دیتو کو گرفتار کر لے گی۔ افسر نے اسے یہ کہہ کر امیدوار بنا لیا کہ کچھ وقت گزرنے پر میں تمہیں تمہارے علاقے میں تبدیل کرا دوں گا۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ تم دیتو کی دشمنی سے بچ جاؤ گے اور اپنے گھر پہنچ سکو گے۔ اس پڑوسی نے افسر سے اپنے رضا مندی کا اظہار تو کیا مگر رات کو جب اپنی گھر والی سے مشورہ کیا تو اس خاتون نے اسے ایسی حرکت کرنے سے منع کیا اور کہنے لگی اپنے گھر کی بہبود کے لئے کسی اور غریب کا گھر کیوں اجاڑتے ہو۔ خدا سے ڈرو۔ خود تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر کسی نے تم سے ایسا کیا تو؟ اس نے بیوی کا مشورہ قبول کرتے ہوئے چپ سادھ لی۔ پڑوسی کی بیوی نے دیتو کی بیوی کو یہ ساری باتیں بتا دیں اور اسے چوکس رہنے کا مشورہ دیتے ہوئی کہنے لگی بہن ہوشیار رہنا۔ اسٹور کا افسر تمہارے میاں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے وہ تمہارے میاں کو بدنام کر کے جیل بھجوانا چاہتا ہے۔

دیتو کی بیوی نے جب یہ باتیں اپنے شوہر کو بتائیں تو دیتو غصے سے پاگل ہو کر اسی وقت اس افسر کو جا کر مرنے مارنے پر تل گیا مگر بچوں نے منت سماجت کر کے اسے روک لیا کہ اگر آپ اس سے جھگڑا ٹنٹا کریں گے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا وہ آپ کو جیل بھجوا دے گا وہ تو خدا سے یہی چاہتا ہے۔ آپ غصہ پی جائیں۔ ہمیں خدا پر بھروسہ ہے اگر ہم سچائی پر ہیں تو اس پر خود افتاد پڑے گی۔ وہ خاموش

ہو کر بیٹھ رہا- بجو بس اب یہ سوچ رہا تھا کہ ریٹائرمنٹ لے کر اس شخص سے دور چلا جاؤں- یہی ایک صورت ہے وہ چوریاں کرتے پھریں- ہاں اگر کسی نے پڑتال کی تو جتنی چوریاں انہوں نے کی ہیں وہ سب ان سے برآمد ہوں گی- ورنہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں میں ان کا کیا بگاڑ سکتا ہوں-

باب دوازدہم

ایک مرتبہ گھڑی کی گھنٹی پھر سے چیخ اٹھی جانو خان ایسا گھبرا گیا کہ اپنی جگہ سے ایک جست لگائی کھڑا ہو گیا۔ اسے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ ساری باتیں اس نے سوچی تھیں یا خواب میں دیکھی تھیں۔ وہ تیار ہو کر دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ ہوا اب پہلے سے کسی قدر کم ہو چکی تھی' قریب کی مسجد سے موذن فجر کی اذان دے رہا تھا زمین پوری طرح برف سے ڈھکی ہوئی تھی آسمان صاف تھا بادلوں کی کوئی بھی ٹکری پہاڑوں کے گھیرے کے مقام پر آسمان پر نظر نہیں آتی تھی مگر رات کے آخری پہر ایسا لگتا تھا سردی کچھ بڑھ چلی تھی جانو دوبارہ کوٹھڑی میں داخل ہوا اس لئے کہ اس نے چادر نہیں لپیٹی تھی۔ سردی جسم میں نشتر بن کر چبھ رہی تھی۔ جانو نے کیتلی کھنگال کر پانی سے بھر کر اسٹوو پر رکھ دی اسٹوو میں اور کوئلہ بھر دیا۔ جب کیتلی کا پانی نیم گرم ہو گیا جانو نے وضو کیا نماز ادا کی' نماز کے بعد شامو کے اکلوتے بیٹے کی صحت یابی کے لئے دعا کی۔ دعا میں خدا سے یہ استدعا کی کہ شامو کو دکھوں سے بچائے' زندگی میں اس نے بہت سے دکھ دیکھے ہیں بہت دوا دارو' دعا اور تعویذ گنڈوں کے بعد ہی تو یہ ایک ہی بیٹا پایا اس کا دکھ اسے نہ دے۔ اس کے بیٹے کو اگر کچھ ہوا تو شامو کی بیوی اپنے بیٹے کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گی وہ خاتون تو بیٹے کو دیوانہ وار چاہتی ہے خود شامو بھی بہت دن نہ جی سکے گا۔ خدایا ایک شریف' نیک اور معزز گھرانہ ہے اسے برباد نہ ہونے دیں۔

نماز میں شامو کے بیٹے کے لئے دعا کرنے کے بعد جانو نے اسٹوو خوب اچھی طرح گرم رکھا اس لئے کہ کچھ ہی دیر میں اس کے ساتھی آنے والے تھے اس نے سوچا آج تو غضب کی سردی ہے یہ

ضروری ہے کہ ان کے آنے سے پہلے کوٹھری اچھی طرح گرم ہو تاکہ ساتھی سردی سے ٹھٹھر کر نہ رہ جائیں اس کوٹھڑی میں آنے والے سب جانو کے اور شامو کے دوست اور انہیں کی طرح کارکن تھے۔ ان کے جسم پر صرف ریلوے کی دی ہوئی وہ وردی تھی جو سال دو سال میں ایک بار ان کو ملتی تھی۔ جانو کی طرح ان بیچاروں کی حالت بھی اچھی نہ تھی۔ بس ان کو یہ ایک سہارا ملا تھا کہ کچھ انجن ڈرائیور انہیں ترس کھا کر سیمنٹ کی بوری جتنا کوئلہ دیا کرتے تاکہ وہ گذارا کر سکیں کبھی کبھار گڈس ٹرین کے چھکڑوں سے بیچارے تھوری سی لکڑی بھی لے لیا کرتے اگرچہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنا بددیانتی ہے مگر مجبوری کیا نہیں کراتی جب کہ قلیل تنخواہوں میں ان کے گھر کا خرچہ بھی نہیں چل سکتا تھا۔ ریلوے سے بھی کوئلہ ملتا مگر اس سے ضرورتیں پوری نہ ہو سکتیں جب کہ دوسری طرف وہ دیکھتے کہ اعلیٰ آفیسر سرکاری وسائل کو نہایت بیدردی سے لوٹ رہے تھے وہ مرغی کو پروں سمیت ہضم کر لیتے انہیں ہرگز خوف خدا نہ ہوتا۔ جب یہ مزدور اور محنت کش اس لوٹ مار کو دیکھتے اور پھر اپنی بے بسی' بھوک' بیماری اور زندگی کی بے قدری اور احساس کرتے تو جل بھن کر رہ جاتے۔ وہ خود کو حق بجانب خیال کرتے کہ ہم اگر تھوڑی سی مقدار میں لکڑی کوئلہ یا دوسری قسم کے سرکاری وسائل پر ہاتھ بڑھاتے ہیں تو اس لئے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے مگر دوسری طرف وہ طبقات جو بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں وہ بے ایمانی کرنے سے باز نہیں آتے۔ ان میں سے جو ذرا سی سمجھ بوجھ رکھتے تھے اپنے ساتھیوں سے کہتے۔ بھائیو آج اگر یہاں احتساب کرنے والا کوئی نہیں تو نہ جانئے کہ وقت اسی طرح منجمند رہے گا۔ کوئی دن ایسا آئے گا جب محتسب سامنے آکر غریب عوام کے وسائل کو لوٹنے والے اور باپ کی جاگیر سمجھنے والوں کے پیٹ چاک کر کے نکلوا دے گا۔ یہ طبقات جو آج ہمیں فریب دے رہے ہیں ایک دن آئے گا کہ ان سے پوچھا جائے گا۔ جانو کو اپنا وہ نیک دل اسٹیشن ماسٹر یاد آگیا۔ کتنا بھلا آدمی تھا وہ غریبوں کا کس طرح خیال رکھتا تھا ہر ایک کو وقت پر وردی دلوایا کرتا۔ سردیوں میں ریلوے پٹڑی کے گھلے سڑے سلیپر جب آتے وہ تمام مزدوروں کو ان کے حق کے مطابق بانٹ کر دیتا۔ کسی سے رو رعایت نہ کرتا۔ سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا۔ اس کے نزدیک سب لوگ برابر تھے۔ یہاں کام کرنے والے ملازمین کی تنخواہیں بروقت دلواتا۔ اس نے بابو سے کہہ رکھا تھا یہ غریب لوگ ہیں ان کی تنخواہیں پہلی تاریخ کو ادا کی جایا کریں کیوں کہ اس چھوٹی سے تنخواہ میں چند دن گزارنا بھی مشکل ہے ان پر آفرین ہو کہ یہ اسی تنخواہ میں مہینے کے تیس دن گذار لیتے ہیں۔

اسٹیشن ماسٹر کی خوبیوں کی وجہ سے محلے کے تمام لوگ ہم سے اچھا سلوک کرتے تھے۔ اس اسٹیشن ماسٹر نے چارج لیتے ہی پہلے دن سب لوگوں کو جمع کر کے کچھ باتیں کہہ دی تھیں۔ اس نے کہا تھا "تم سب میرے بھائی ہو۔ جس نے اپنا کام خوش اسلوبی سے کیا وہ مجھ سے اچھائی دیکھ سکے گا۔ چور' کاہل اور دیر سے آنے والے کام سے جی چرانے والے جان لیں کہ میں ان کا ساتھی نہیں ہوں۔ ہر شخص اپنے کام کو اسی طرح فرض سمجھ کر کرے جیسے وہ نماز' روزہ اور دینی فرائض ادا کرتا ہے۔ اگر آپ نے ایمانداری سے اپنا کام کیا تو سمجھ لیں کہ اپنی اولاد اور اہل خانہ کو رزق حلال کھلا رہے ہیں اور اگر آپ نے کام سے جی چرایا' خود کو چھپایا تو سمجھ لیں کہ وہ کیا رزق ہو گا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم نیک نیتی سے اپنا کام کریں قدرت نے انسان کو محنت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ ہاتھ پاؤں یہ سر دماغ اور آنکھیں ان سب سے کام لینا چاہئے ورنہ قدرت ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ جس قوم نے بھی خود کو کام کرنے سے بچایا محنت سے جی چرایا' خون پسینہ ایک نہیں کیا' ہاتھ پاؤں اور اعضا کی قدر و منزلت سے بیگانہ بنی رہی جان لو اس کی ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ یہ تو قانون قدرت ہے کہ جس نے بھی خود کو بلند کیا وہ محفوظ رہتا ہے جس نے ایسا نہیں کیا وہ آگے بڑھنے والوں کے پیروں تلے کچلا جاتا ہے۔ نابود ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے کہ ہم خود کو قوموں کے پیروں تلے کچلے جانے سے بچائیں۔ آگے بڑھیں اپنی ہستی کا ثبوت بہم پہنچائیں وگرنہ ہمیں کسی سے شکوہ کرنے کا حق نہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کوئی انسان خود نالائق رہ جاتا ہے تو دوسرے اس پر چڑھ دوڑتے ہیں ہمیں کسی کو یہ موقع نہیں دینا چاہئے۔ آپ میں سے جس کسی کا کوئی جائز کام ہو وہ بلا تامل میرے پاس چلا آئے۔ کوئی اسے نہیں روکے گا۔ تاہم اگر کوئی غلط راستہ اختیار کرتا ہے تو میں اسے معاف نہیں کروں گا اگر ہم سب اپنے اپنے کام صحیح طور پر انجام دیں تو اس اسٹیشن سے ریلیں سلامتی سے گزریں گی۔ مسافر سب ہمیں دعائیں دیں گے۔ اگر ہم خود کو کام سے غافل رکھیں تو خدانخواستہ ریلوں کے حادثات کے امکانات بڑھ جائیں گے جو مسافروں کے لئے دکھ اور تشویش کا باعث بنیں گے تب نہ ہمیں انسانیت معاف کرے گی نہ حکومت اور نہ ہی ہمارا خدا۔"

جانو کی نیند اب اڑ چکی تھی' صبح صادق اب قریب تھی پہاڑوں کی بلندی اور درے کی تنگی کے باعث گو اندھیرا اب تک نہیں چھٹا تھا۔ جانو ایک بار پھر سے خیالوں میں کھو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا بلا شبہ

اس شخص نے اسٹیشن ماسٹر ہونے کا حق ادا کیا ہر شخص اس کی عزت کرتا تھا۔ وہ خود بھی اپنا کام محنت سے کرتا تھا اور دوسروں کے کام بھی توجہ سے دیکھا کرتا تھا۔ بار ہا ایسا ہوا کہ وہ صاحب آدھی آدھی رات کو گشت کر کے دیکھتا کہ کوئی سو تو نہیں رہا۔ بعض اوقات چائے سے بھری ہوئی کیتلی لئے گھومتا کہتا تھا مجھے نیند نہیں آئی میں تمہارے لئے چائے لایا ہوں۔ دیکھوں بھلا آدھی رات کی ڈیوٹی' کاٹنے بدلنے کی چوکسی اور میٹھی نیند پر کام کو ترجیح دینے کا مزہ کیسا ہے۔ واقعی بہت ہی خدا ترس شخص تھا اور بھی ایسے اچھے لوگ اس دنیا میں ہوں گے مگر وہ اپنی مثال آپ تھا۔ جیسا وہ خود تھا ایسے ہی اپنے بچوں کی اور گھر والوں کی تربیت کی ہوئی تھی۔ ہم اگر کسی کام سے اس کے گھر جاتے وہ اٹھ کر ملتا نہایت محبت کا اظہار کر کے ہمیں کرسی پر بٹھاتا' پھر خود بیٹھتا۔ اگر بچے پڑھنے میں مصروف ہوتے تو ان کی بیگم خود ہمارے لئے چائے پانی وغیرہ لے آتی۔ ہمیں اپنے سمجھ کر ہم سے پردہ نہ کرتی وہ کہتی تم میرے بیٹے اور بھائی ہو میں تمہاری ماں ہوں بھلا ماں بیٹوں سے پردہ کرتی ہے۔ پردہ تو دل کا ہونا چاہئے۔ ہم بھی اسے بہن بیٹی کی طرح عزت دیتے۔ بے شک کیسے اچھے لوگ تھے۔ ہم پر جانیں نچھاور کرنے والے کبھی کبھی تو ہم جیسوں کے لئے دوسرے بابوؤں سے جھگڑتے۔ کہتے تھے اس اسٹیشن پر کام کرنے والے ایک خاندان کی طرح ہیں ہمیں لازم ہے کہ ہم ایک دوسرے کا دکھ جان لیں۔ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں۔ وہ کہا کرتا تھا یہ سچ ہے کہ میں تم سے عمر میں بڑا ہوں اسٹیشن ماسٹر کے عہدے پر ہوں تم میری عزت کرتے ہو مگر اصل میں ہم سب ایک ہیں کوئی کسی سے بڑا نہیں سب کی عزت مساوی ہے۔" اس کے بچے بھی اسی کی طرح تھے۔ اس کا بیٹا سکندر پڑھنے میں نہایت قابل تھا اسکول میں سارے بچوں پر بڑھ گیا تھا۔ خط اسے خدا نے ایسا بہترین عطا کیا تھا گویا موتی پرو رہا ہے پڑھنے میں اسقدر قابل کہ ٹیچر اس پر فخر کرتے۔ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جو بچہ عام زندگی میں تیز و طرار ہوتا ہے وہ پڑھنے میں دوسروں سے آگے نکل جاتا ہے۔ تاہم وہ لڑکا خاموش طبع بھی تھا پڑھنے کے سوا اور کسی بات پر توجہ نہ دیتا۔

جانو خان کو یاد تھا کہ ایک بار جب وہ صاحب کے گھر گیا تھا۔ صاحب بیٹھے خود اپنے بیٹے کو پڑھا رہے تھے۔ جانو نے ان سے پوچھا تھا آپ اپنے بیٹے کو خود پڑھاتے ہیں _ دن بھر کام بھی بہت کرتے ہیں۔ تھک جاتے ہوں گے۔"

"جانو خان! زندگی کی دوڑ میں آگے نکلنے کے لئے انسان کو محنت تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ ہم جیسے

غریب اگر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔ ترقی تو پھر ہوئی ناں۔ دوڑ تو پھر کیا جیتیں گے۔" اسٹیشن ماسٹر نے کہا

"آپ کا بیٹا تو پڑھنے میں بہت لائق ہے قدرت نے اسے بڑی لیاقت بخشی ہے وہ خود سب کچھ جانتا ہے۔" جانو نے کہا۔

"پڑھنا بہت ہی محنت طلب کام ہے۔ تعلیم صرف اس کا نام نہیں کہ بچے نے کتابیں سنبھالیں اور اسکول گیا۔ وہاں کچھ پڑھایا نہیں۔ گھر آ کر کتابیں پٹخ دیں اور باہر نکل کھڑا ہوا۔ آدھی رات کو گھر لوٹ آیا۔ جیسے آج کے بچے عام طور پر کر رہے ہیں۔" اسٹیشن ماسٹر کہنے لگا۔

"بے شک۔ آپ بجا فرما رہے ہیں صاحب۔" جانو خان نے کہا

"جانو خان! بہت سے بچوں کے والدین پڑھے لکھے نہیں ہیں وہ کیا جانیں ان کی آنے والی نسلیں کالجوں میں کیا کرتی ہیں یہ تو طالب علم اور پھر اس کے استاد کا کام ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں۔ ماں باپ تو بہت دور پہاڑوں کے درمیان کسی گاؤں میں پڑے ہیں انہیں اپنے بیٹے کی نشست و برخاست کا کیا پتہ" اسٹیشن ماسٹر نے جانو خان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"برابر۔ صاحب آپ کی یہ بات تو لاکھوں کی ہے۔ یہی بات تو میں کہتا ہوں۔ آپ نے جیسے میرے منہ سے یہ بات چھین لی۔ اس سال رودین اسی طرح ہی تو مارا گیا تھا۔ ماں باپ کا اکلوتا' شہر کے کسی کالج میں داخل تھا۔ لڑکوں میں آپس میں کچھ ان بن ہوئی' جھگڑا ہوا۔ ایک دوسرے پر بندوقیں تاننے کی نوبت پہنچی۔ رودین بیچارے کا بیٹا مفت میں مارا گیا۔ لڑکے کی ماں گھل گھل کر مر گئی۔ رودین خود بیٹے کے غم میں پاگل ہو گیا بہت دوا اور علاج کئے مگر صحت یاب نہ ہو سکا بالآخر اسے گدو بندر چھوڑ آئے وہ اب تک وہیں پر ہے۔ اپنے آپ سے بولتا الجھتا ہے ہر شخص پر بیٹے کے قاتل کا گمان کرتا ہے۔ بس صاحب آپ سے کیا کہوں رودین کو بیٹے کی تعلیم کا کتنا گھمنڈ تھا وہ یہ سمجھتا تھا بیٹا پڑھ لکھ کر اس کے بڑھاپے کا سہارا بنے گا۔ مگر افسوس! چند ایک جوانوں کی ضد اور جارحیت سے لالہ کا یہ پھول بہار دکھائے بغیر مرجھا گیا۔ آپ اسے دیکھتے تو دیکھتے رہ جاتے۔ میں نے دیکھا تھا کیسا سجیلا جوان تھا دوسروں کو اس سے حسن ملتا خدا نے اسے کیا رنگ کیسا حسن بخشا تھا۔ اس کی جوانی اور رکھ رکھاؤ کا کیا عرض کروں صاحب۔ ہمارا تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔" جانو نے دکھ بھرے لہجے میں بتایا۔

تم سچ کہتے ہو' اس حادثے کی خبر میں نے بھی اخبار میں پڑھی تھی اس لئے تو میں اپنے بچوں کو اور تم سب سے کہتا ہوں ہم اچھے انسان اسی وقت بن سکیں گے کہ ہم سچے علم سے بہرہ مند ہوں۔ کتابوں میں لکھے کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ کتابیں ہمارے ہتھیار ہیں اگر ہم کتابوں سے صحیح علم حاصل نہ کر سکیں تو جان لیں کہ یہ ہتھیار کند اور ناکارہ ہو رہا ہے۔ جب کسی کے ہاتھ میں ناکارہ ہتھیار ہو گا تو وہ اپنے مدمقابل سے کس طرح مقابلہ کر سکے گا۔ خاک مقابلہ کرے گا۔ علم سے آراستہ شخص اپنے علم کے ہتھیار سے جہالت کا سر قلم کرتا ہے۔ جانو خان ہمارے لوگوں نے خود کو اندھیروں کی نذر کر لیا ہے۔ ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ حقائق کو سمجھ لیں' آنکھیں کھلی رکھیں ورنہ اس بڑی دنیا میں وقت کی رفتار ہمیں اسی طرح محو کر دے گی جیسے سینکڑوں دوسروں کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔ ہمیں آج ہزاروں انسانوں کا ادراک نہیں۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا جس نے وقت کے گھومتے پہیے سے خود کو چمٹا لیا وہ ترقی کر گیا جو اس سے پیچھے رہ گیا تو ریل کسی کا انتظار نہیں کرتی۔" اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔

"آپ قطعی درست فرماتے ہیں جی۔ کچھ دن ہوئے میں شہر گیا تھا کسی دکان سے سودا خرید رہا تھا وہاں کچھ پڑھے لکھے آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی یہی باتیں کر رہے تھے کہ سچے علم کی لگن کے بغیر کتابوں کو اٹھائے اٹھائے پھرنا خود فریبی ہے۔ وہ لوگ ایسی باتوں پر حسرت کا اظہار کر رہے تھے کہ آج کا نوجوان ملازمت کے لئے اپنے درخواست تک اپنی زبان میں نہیں لکھ سکتا انگریزی میں لکھنا تو دور کی بات ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ نوجوان کھیلیں کو دیں' گپیں ہانکیں' دنیا کے حالات پر باہم بات چیت کریں مگر پڑھنا ان کا اولیں فریضہ ہے۔ پڑھنا لکھنا بھی وہ جس سے ان کے گھر والوں کو ملک اور قوم سب کو فائدہ پہنچے۔ جو خود کورا ہو وہ اپنے لئی یا اپنے خاندان اور عوام کے لئے کب اچھے دن لا سکے گا بلکہ ایسا آدمی تو اپنے خاندان پر بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسی تعلیم کس کام کی جس سے خلق خدا کو فائدہ نہ پہنچے۔" جانو خان نے کہا

"انہوں نے بالکل ہی سچ کہا ہے آج لوگوں میں یہ شعور پیدا ہو چکا ہے کہ علم کسے کہتے ہیں تب ہی تو میں اپنے بیٹے کو خود بھی پڑھاتا ہوں تاکہ وہ ایک اچھا اور سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بن سکے اور انسانوں کے کام آ سکے۔ صرف بال سنوار کر استری کئے ہوئے کپڑے پہن کر ہوٹلوں میں گھومنا کام نہیں کرتا۔" اسٹیشن ماسٹر نے کہا جانو خان کو سردی کا احساس ہوا۔ ہاتھ بڑھایا تاکہ اسٹوو میں کوئلے کے چند

ٹکڑے ڈالدے مگر رات بھر کوئلہ جھونکنے سے کوئلے بھی ختم ہونے کو تھے ادھر ادھر کچھ چورا بچ رہا تھا اس سے اسٹوو کا پیٹ بھر دیا- باہر ہوا چیخ رہی تھی ۔ جانو خان کے پاؤ ٹھٹھر رہے تھے اس نے جوتے اتارے جرابوں سمیت اپنے پاؤں اسٹوو کی جانب پھیلا دیئے- جب ذرا پیروں میں جان آئی تو اپنے جوتے الٹ پلٹ کر اسٹوو پر گرم کرنے لگا جوتوں کے گرم ہونے پر انہیں پہن کر بیٹھ گیا- بس اب گینگ والے ساتھی کارکن آنے والے ہی تھے-

بیٹھے بیٹھے جانو جان کو اس نیک دل اسٹیشن ماسٹر کے پڑھنے کی بات یاد آئی- جانو ایک رات اسی کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا تھا کہ باہر کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری جانو خان حیران تھا کہ پڑتے ہوئے پالے کی اسی رات میں کون آ رہا ہے اس کے ساتھ ہی کوٹھڑی کے دروازے پر کسی نے دستک دی- جانو خان اپنی جگہ سے اچھل پڑا- دروازہ کھول کر بتی کی روشنی میں اس نے اس اسٹیشن ماسٹر کو کھڑے ہوئے پایا- بہت حیران ہوا بلکہ کچھ گھبرا بھی گیا-

"آپ!" جانو خان کے منہ سے نکلا-

"اسٹیشن ماسٹر نے جانو خان کی گھبراہٹ دیکھی تو ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر کہنے لگا-

"ہاں! میں- جانو خان تم اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو"۔

"حیران اس لئے ہو رہا ہوں کہ ایسی سرد رات میں آپ یہاں تشریف لائے ہیں خیریت تو ہے؟" جانو خان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا-

"جانو خان حیران نہ ہو- ڈریں مت- آج رات مجھے نیند نہیں آئی- حیران تھا کیا کروں- پھر خیال آیا کہ تمہاری طرف ہو آؤں- اسی لئے تو میں چائے بھی ساتھ لایا تاکہ کچھ دیر بیٹھیں گے- چائے پئیں گے باتیں کریں گے- اس طرح ہم میں بعد نہیں رہے گا قربت پیدا ہو گی"۔ اسٹیشن ماسٹر نے وضاحت کی-

"مگر یہاں تو آپ کے بیٹھنے کے لئے کوئی اچھا سا بچھونا بھی نہیں- لے دے کہ ایک پرانی رلی ہے وہ بھی دھول سے اٹی ہوئی"۔ جانو خان نے کہا-

"تم اس کی پرواہ نہ کرو میں بھی اسی رلی پر بیٹھوں گا- میں تجھ سے کچھ زیادہ اچھا آدمی تو نہیں ایسی رلیاں میرے گھر میں بھی ہیں- چلو بیٹھو"۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہا-

وہ دونوں آ کر بیٹھ گئے جانو نے اپنے پیالے خوب اچھی طرح دھو کر چائے ڈالی۔ دونوں چائے پیتے رہے اور باتیں کرتے رہے ریل کے آنے پر جانو خان اپنے کام میں جت جاتا' ریل گذار کر لوٹ آتا جانو خان کو بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ ان صاحب کے طور طریقے اس سے پہلے کے اسٹیشن ماسٹروں سے یکسر مختلف تھے اسے سوجھتا نہ تھا کہ صاحب سے کیا بات کرے اس کی انسان دوستی اور مزدوروں سے محبت سے مل کر باتیں کرنا اسے بھلا لگا آج خدا نے اس کی یہ حسرت پوری کر دی تھی جانو خان نے چائے کی آخری پیالی ختم کی اور پیالی الٹ دی۔ اسٹیشن ماسٹر نے بھی آخری گھونٹ لیا اور پیالی ایک طرف کو رکھ دی۔ بمشکل جانو خان نے ہمت کی اور ان سے پوچھ لیا۔

"صاحب! آپ کا آبائی گھر کہاں ہے؟"

"جانو خان میں تمہیں کیا بتاؤں۔ یہ پورے کا پورا جہان میرا ہے میرا گھر ہے مجھے سارے دنیا کے ملکوں سے' لوگوں سے' چیزوں سے محبت ہے"۔ اس نے بتایا۔

"کہاں پڑھا ہے اتنا کچھ؟" جانو خان نے پوچھا۔

"میرے والدین اور میرے اساتذہ' مجھے انسانیت سے محبت کرنے کا سبق دیتے رہے بچپن میں میں اسکول میں داخل ہوا میرا والد مجھے پڑھانا چاہتا تھا مگر ہمارے علاقے کا وڈیرا یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے علاقے کے ہاری اور مزدوروں کے بچے پڑھ لکھ جائیں حکومت نے ہمارے لئے ایک اسکول قائم کیا مگر اس ظالم وڈیرے نے مداخلت کی اسکول ماسٹر کو ہفتے بھر حبس بے جا میں رکھا اس سے توبہ کروا کر اسے وہاں سے چلتا کیا۔ وڈیرے نے اسے دھمکایا کہ اگر پھر ادھر کا رخ کیا تو تمہاری جان کی خیر نہیں تم اس لئے آئے ہو کہ تاکہ غریبوں کے بچوں کو آوارہ بنا ڈالو۔ جاؤ جا کر اپنے باپوں کو بتا دو کہ وڈیرے نے مجھے مار پیٹ کر نکال دیا ہے میں جانوں اور تمہارے حمایتی۔اگر پھر اس طرف کا رخ کیا تو تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا یہ لوگ اگر پڑھ لکھ گئے تو یہاں تمہارا باپ آ کر ہل چلائے گا اور زمین ہموار کرے گا جاؤ بھاگ جاؤ۔ دوبارہ اگر مڑ کر بھی دیکھا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا میں نے تمہیں اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ وڈیرہ قائم خان کل یہ نہ کہے کہ اس کے علاقے کا آدمی میں نے مروا دیا ہے۔ اسی کی آنکھوں کا لحاظ ہے ورنہ تم جیسے منہ پھٹ میں نے بہت دیکھے اور بہت سوں کے جبڑے چیر ڈالے ہیں۔ جاؤ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ تم سے پہلے بھی بڑے پیٹ کا ایک ماسٹر یہاں آیا تھا میری بات نہ ماننے پر بعدازاں آج تک کوئی بھی

اس کا پتہ بھی نہیں لگا سکا۔ تجھے صرف اس لئے معاف کر رہا ہوں کہ وڈیرہ قائم خاں کے گاؤں کا ہے جو میرے شکار کا ساتھی ہے کل اسے گلہ نہ ہو اسی کا لحاظ مجھے روکے ہوئے ہے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ لوٹ جاؤ"۔

اس بے چارے سکول ماسٹر نے بڑی منتیں کیں کہنے لگا حضور یہ ایک پرائمری اسکول ہو گا یہاں بچے صرف پانچویں جماعت تک پڑھ سکیں گے بعد میں انہیں شہروں میں جا کر پڑھنا ہو گا یہ غریب کب وہاں پڑھنے جا سکیں گے جب کہ میں خود بھی ایک غریب آدمی ہوں میرے بوڑھے ماں باپ ہیں بڑے ارمانوں سے مجھے پڑھایا لکھایا ہے تاکہ میں نوکری کر کے ان کا سہارا بنوں۔ آپ نے اگر مجھے یہاں کام کرنے نہ دیا تو حکومت مجھے کسی اور جگہ ملازمت نہیں دے گی اس لئے کہ کسی دوسرے اسکول میں آسامی نہیں ہے مگر وڈیرہ ہاتھ پیچھے پر دھرنے نہیں دے رہا تھا۔ "تمہاری غربت اور نوکری میرا مسئلہ نہیں ہے میں نہیں چاہتا کہ میرے علاقے کے بچے خراب ہو کر رہ جائیں یہ اگر پڑھ لکھ گئے تو مجھے وڈیرہ کون کہے گا کون میرے لئے حقہ تازہ کرے گا کون میرے جوتے سیدھے کرے گا کون میرے کتوں کو نہلائے گا کون انہیں کھلائے گا نہ بابا نہ یہاں سے رات کے اندھیرے میں نکل بھاگو۔ میں اسی ایک الٰہی بخش سے بھر پایا ہوں جو ہر الیکشن میں میرا مقابلہ کرتا ہے کچھ معلوم نہیں کہاں سے پڑھ لکھ کر آگیا ہے اس سے تو میں نمٹ لوں گا اسے تو میں اپنی بندوق کی گولی سے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دوں گا بعد میں اس کے اقرباء بے شک گھیراؤ کر کے حملے کریں۔ "اسٹیشن ماسٹر بیان کرتا رہا"۔ میں چھوٹا سا تھا اس موقعے پر وہاں کھڑا تھا میں نے ماسٹر صاحب کی جانب دیکھا ان کی آنکھوں سے امید کی روشنی کی بجائے مایوسی بے بسی اور غربت کے آنسو جھلملا رہے تھے۔ ظالم وڈیرے نے صرف اس کی امیدوں کا خون ہی نہیں کیا تھا بلکہ علاقے کے تمام ہاری اور مزدوروں بچوں کے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیا تھا کہتے ہیں بچپن کی باتیں بھولتی نہیں مجھے بھی ماسٹر صاحب کی وہ باتیں اور جھلملاتے آنسو یاد ہیں بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ اسے کوئی اور جگہ نہ مل سکی اس نے بہت بھاگ دوڑ کی تھی مگر بے فائدہ رہی۔ وہ غریب تھا اور اچھی ملازمتیں غریبوں کو کب ملتی ہیں اس اسکول کے لئے اور کوئی نہیں آتا تھا اس لئے یہ جگہ اسے دی گئی تھی مگر ظالم وڈیرے نے اسے اپنی زیادتی کی بھینٹ چڑھا ڈالا۔ کہتے ہیں اس ماسٹر صاحب کو بعد میں سل اور دق کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وہ اپنے ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے کھانستے کھانستے بغیر دوا اور علاج کے سدھار

گیا کچھ عرصے کے بعد بوڑھے ماں باپ بھی اس کے غم میں گھل گھل کر مر گئے۔ اس گاؤں کے لوگوں نے اپنے بچوں کو پڑھانے میں کچھ بھلائی نہیں دیکھی کہ ان کی آنکھوں کے سامنے غریب ماسٹر صاحب نوکری سے محروم رہا تھا جانو خان تم نے دیکھا ہمارے علاقے کے وڈیرے کی سینہ زوری جس کی ایک ڈانٹ نے ایک پورے خاندان کو نیست و نابود کر دیا ہمارے علاقے کے کسی بچے کو بھی لکھنے پڑھنے نہیں دیا گیا جب ماسٹر صاحب کی یہ بے بسی دیکھی تو علاقے کے لوگوں کا تعلیم پر سے اعتماد اٹھ گیا"۔

بس اسی وقت سے میرا دل اس طبقے سے متنفر ہو کر رہ گیا میں نے اپنے والد پر زور دیا کہ اس ظلم کے علاقے سے کسی اور جگہ منتقل ہوں کہ اس محفل سے بہتر ہے کسی صحرا کی تنہائی' ویسے بھی اس گاؤں میں ہماری پاس کچھ بھی نہ تھا ایک گھاس پھونس کی جھونپڑی مگر وڈیرہ اس کے باوجود ہماری منتقلی میں مانع تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ وہاں سے نقل مکانی کریں ورنہ اس کا ہاری کون ہوتا کون اس کے کام کرتا؟ میری ماں نے شاید کچھ سوچا تھا والد صاحب سے چپکے سے کہا دو ایک چیتھڑے کے سوا ہمارے پاس اور کیا ہے میں کھانا پکاتے وقت کسی صبح اس جھونپڑی میں آگ لگا دوں گی بعد میں کسی رات کی تاریکی میں چل دیں گے تاکہ اس ظلم کی دھرتی پر ہمارا کوئی نشان باقی نہ رہے والد صاحب نے یہ بات مان لی۔ کچھ دن گذرے والد صاحب کام پر گئے ہوئے تھے ماں نے چپکے سے جھونپڑی میں آگ لگا دی اور پھر چیخ چیخ کر رونے لگی کہ ہوا سے کوئی چنگاری جھونپڑی کے گھاس پھونس میں پڑ گئی ہوا نے آگ کے شعلوں کو بڑھا دیا ہر شخص اس بات کو سچ سمجھنے لگا۔ لوگ ہم سے اظہار افسوس کرنے لگے وڈیرہ اس روز شکار کرنے گیا ہوا تھا اس کے کارندے ندیم و مصاحب بھی اس کے ساتھ گئے ہوئے تھے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جھونپڑی ہم نے قصداً جلائی ہے اور رات ہوتے ہی ہم بھاگ نکلیں گے ہماری قسمت اچھی تھی کہ وڈیرہ اور اس کے کتے موجود نہ تھے دوسروں کو ہمارے منصوبے کی کچھ بھی خبر نہ تھی ہم نے جانو خان اسے اپنے حق میں غنیمت جانا سامان ہمارے پاس بھلا کیا تھا جھونپڑی کی جلی ہوئی جگہ سے ذرا ہٹ کر ہم رات کو سوئے جب لوگ نیند کی آغوش میں تھے ہم اٹھ کر چل دیئے کانٹوں اور جھاڑیوں میں الجھتے الجھتے جنگل جنگل سفر کرتے ہم قریبی اسٹیشن پر پہنچ گئے اتنے میں ایک ٹرین اسٹیشن پر آ کر رکی ٹکٹ خرید کر ہم کوئٹہ کی طرف روانہ ہو گئے کوئٹہ شہر میں والد صاحب محنت مزدوری کر کے مجھے پڑھاتے رہے تم سے کیا کہوں جیسے دکھ میں نے جھیلے میں وہ کسی کے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔ ہمارے گھر

میں چراغ تک نہ تھا کہ میں راتوں کو پڑھ سکتا۔ پھٹے پرانے پیوند لگے کپڑوں میں میں اسکول جایا کرتا آدھی چھٹی ہوتی بچے خوانچے والوں سے چیزیں خرید کر کھاتے پیتے کھیلتے کودتے گپیں ہانکتے مگر میں اور مجھ جیسے کچھ اور غریب لڑکے کھیل کے میدان میں کسی کونے میں بیٹھ کر پڑھا کرتے مجھے وڈیرے کے چبھتے ہوئے جملے یاد تھے اور تمام عمر یاد رہیں گے۔ اس بے چارے ماسٹر صاحب کی بے بسی میرے دل پر اس طرح نقش ہو کر رہ گئی کہ محو نہیں ہو سکتی جانو خان! میں نے دل لگا کر پڑھا اور بارہویں جماعت پاس کر لی۔ تب ایک نیک دل آدمی نے مجھ سے ریلوے کی نوکری کے لئے درخواست دلوائی ان دنوں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد کم تھی اور انصاف بھی ہوتا تھا اس ملازمت کے لئے دوسرے امیدوار بھی تھے مگر میں نے مقابلے کا امتحان پاس کر لیا"۔ اسٹیشن ماسٹر نے اپنی کہانی ختم کی۔

"جناب! آپ نے عجیب کہانی سنائی اس سے میری آنکھیں کھل گئیں میں اپنے بیٹے یوسف کو یہ باتیں بتاؤں گا تاکہ وہ بھی دل لگا کر پڑھے"۔ جانو خان نے کہا۔

باب سیزدہم

سائیں داد ایک تو نہایت چالاک شخص تھا پھر اسے جرائم پیشہ افراد پر بھی قابو تھا۔ ہر کام اس کے وقت پر کرتا تھا۔ جب لوگ باگ ایک ایک کر کے ادھر ادھر ہوئے' اپنے مال مویشی ہانک کر اپنے ساتھ لے گئے تب اس نے پہلی بار کچھ دوسرے لوگوں پر اپنے جرائم پیشہ غنڈوں سے ڈاکے ڈلوائے کچھ اندازہ نہیں کہ کتنے غریبوں کے مال مویشی اپنی سازش کی بھینٹ چڑھائے۔ اس حرکت کا مقصد یہ تھا کہ پہلے دوسروں پر ہاتھ صاف کرنا چاہئے تاکہ شبہ نہ رہے تب اپنے اصل دشمن سبزل خان پر حملہ آور ہو اس طرح اپنے حریف سبزل خان کو اور اسکے خاندان کو زک پہنچ سکے گی انہیں سبزل خان کی نیک نامی اور عام لوگوں کا اس کی حمایت میں جان لڑانے کا ڈر اور دھڑکا لگا رہتا تھا اس لئے میر سائیں داد دور دور سے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا اپنی ذہانت اور چالاکی کا دام ہرنگ زمین بچھائے دوسرے غریبوں کا مال لٹواتا ہوا ان کی جان کے لالے کرواتا سبزل خان کے چاروں طرف گھیرا تنگ کر رہا تھا۔ انہی جرائم پیشہ اشخاص سے کام لے کر اس کے چرواہے پر حملے کروائے اور مال مویشی ہانک کر لے گیا۔ جب یہ خبر سبزل خان تک پہنچی کہ اس کا ریوڑ اور چرواہا ڈکیتی میں کام آئے ہیں وہ اپنے چرواہے کے لئے بہت رنجیدہ ہوا اسے بتایا گیا کہ چرواہا مارا گیا ہے اور ریوڑ لے جایا گیا ہے وہ نہایت دکھی ہوا چرواہے کی لاش اتنی دور سے لانا ممکن نہ پا کر اسے اسی قرب و جوار میں دفن کر دیا گیا سبزل خان ریوڑ کے لئے بالکل بھی غمگین نہ تھا تاہم چرواہے کا غم زندگی بھر ناقابل فراموش تھا۔ ریوڑ کا کیا ہے کل پھر اکٹھا کر لے گا۔ چرواہے کا سوئم گزار کر سبزل خان اسے علاقے میں پہنچا جہاں ریوڑ ہنکوا کر لے جایا گیا تھا۔ اس کا محل وقوع ایسا نہ

تھا کہ تحقیقات میں مد و معاون ہو سکتا۔

اس واقعہ پر مہینے دو مہینے گذرے علاقے میں ڈکیتیوں کے ہاتھوں کچھ اور لوگ مارے گئے کچھ زخمی ہوئے اور مدتوں زخم چاٹتے پھرے صحتیاب ہو گئے ان سے بھی معلوم کیا گیا کہ حملہ آور چور کون تھے وہ بھی معقول اتہ پتہ نہ بتا سکے اسلئے کہ ایسی وارداتیں عموماً" تاریک راتوں میں ہوا کرتیں حملہ آور راتوں رات اس علاقے سے نکل کر سندھ کے سنسان اور خوفناک جنگلوں میں جا چھپتے۔ وہاں سے گاؤں کے کچھ لوگ سبزل خان کے پاس پہنچے تاکہ اس سے مشورہ کریں کچھ لوگ اپنے اپنے معتبرن کے پاس گئے تاکہ ان کی مدد سے چوروں کو گرفتار کیا جا سکے میر اور معتبرن نے انہیں جھوٹی تسلیاں دے کر لوٹا دیا کہ ہم کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ اپنے آدمیوں سے کہیں گے کہ وہ چوکسی کرتے رہیں کہ یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں البتہ آپ سب محتاط رہیں بہرحال خدا اچھا ہی کرے گا۔ سبزل خان کے لئے علاقے میں لوٹ مار اور قتل و غارت کے ایسے واقعات ایک نئی صورتحال تھے اس نے گاؤں والوں سے کہا وہ دیکھ بھال کے لئے اپنے اپنے گاؤں کے لوگوں کو مقرر کریں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چور اور کیسی وارداتیں کریں گے۔ بس یہ ضروری ہے کہ چوکسی ہر شخص خود کرے۔ اپنے میر اور معتبرن کی بات بھی سنا کرو لیکن عمل وہی کرو جس کی تاکید میں کروں۔

سبزل خان کو خدا نے مال و دولت تو دے رکھی تھے اسے بھی یہ فکر دامنگیر ہوئے کہ چور میرا ریوڑ وغیرہ تو ہانک کر لے گئے اب ایسا نہ ہو کہ میرے گھر والوں کے اثاثے' زیورات اور نقدی پر ہاتھ صاف کریں اس کا بیٹا جانو خان ابھی کمسن لڑکا ہی تھا تاہم بیٹیاں بیاہی جا چکی تھیں گھر میں صرف گھٹنوں سے شل بیمار بیوی تھی جو بیچاری گھسیٹ گھسیٹ کر گھر کا کام کاج کرتی ہر چند کہ اسے بڑی تکلیف سے یہ کام کرنا پڑتا۔ کبھی کبھار پاس پڑوس کی عورتیں اس کی مدد کیا کرتیں جب مہمانوں کی ریل پیل ہوتی تو آس پاس کے گھروں سے لڑکیاں بالیاں آ کر اس کا ہاتھ بٹاتیں۔

باب چہار دہم

بجار خان ریلوے کی وردی میں بہت ہی خوبصورت لگتا تھا گاؤں میں پلا بڑھا دیہاتی تو تھا ہی قدرت نے اسے دلکش چہرہ اور موزوں قد و قامت بخشا تھا۔ بچپن میں ننگے پیر گھومنے پھرنے سے اس کے پیر چوڑے ہو گئے تھے ریلوے کے بوٹ بمشکل ہی پاؤں میں آتے تھے البتہ کوٹ اور پتلون پہنتا تو شہزادہ سا لگتا تھا۔ ہاتھوں کے پنجے اتنے بڑے کہ عام آدمی کے دونوں پنجے اس کے ایک ہاتھ میں آ جاتے۔ بجار خان اپنی جوانی کے جوش میں بدمست تھا کوئی ماں کا لال اس کی بانہہ پکڑ نہ سکتا تھا۔ طاقت ایسی ملی تھی کہ ہرن کے اگلے پیروں کی نلیاں ایک ہی جھٹکے میں توڑ دیا کرتا۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے چوڑے چکلے شانے اور ابھرا ہوا سینہ۔ کمسنی میں اتنے دکھ سہے تھے کہ اب دکھوں کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیتا' ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہر شخص سے نہایت شرافت اور خندہ پیشانی سے پیش آتا بھائیوں کی طرح ملتا۔ ہر ایک کے کام آتا۔ غرور اور تکبر تو اسے چھو کر بھی نہیں گیا تھا اسے اپنے ماضی کے دکھ اور مصائب بھولے نہیں تھے۔ اسی لئے ہر شخص کے کام میں ہاتھ بٹاتا۔ خدا نے اسے موزوں قامت اور خوبصورت چہرے کے سات دل دردمند اور اخلاق بلند بھی بخشا تھا ہر بات نہایت توجہ سے سنتا اگر کسی وجہ سے بات کی سمجھ نہ آتی تو دوبارہ پوچھ لیتا جب بات کی تہہ تک پہنچ جاتا پھر اس کام کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیتا کہ طبیعت خوش ہو جاتی۔ آدمی سوچنے لگتا کہ اس دیہاتی کے بچے کو ایسی ذہانت اور ایسی عقل کہاں سے ملی۔ کس نے اسے اس باریک بینی سے مسائل سے عمدہ برآ ہونے کی تربیت کی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ لال اور جواہرات مٹی کی کوکھ سے نکل آتے ہیں بجار خان بھی ایسی ہی چیز تھا وہ بھی

ریت میں چھپا ہوا دانہ لال تھا قدرت نے ہر علاقے میں لعل و جواہر بکھیرے ہیں تاہم بات موقع کی ہے جسے موقع ملتا ہے وہ اپنے جوہر دکھاتا ہے جسے موقع نہیں ہاتھ آتا وہ ہاری اور گڈریا ہی رہ جاتا ہے آج کتنے ہی بجار اور حضورو ہیں جو دیہی پسماندگی کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں ان کے پوشیدہ جوہر اور درخشندہ کمالات ہاری' گڈریے' مزدور اور مہروں کے چلم برداری کرتے ہوئے ماند پڑ گئے ہیں۔ حضورو اور بجار نے تو ایک راستہ پا لیا خود کو مصائب کے جھمیلوں سے نکال لیا مگر ان سینکڑوں ہزاروں غم کے ماروں کا دکھ کون بانٹے گا کون انہیں زندگی کے غمکدہ سے رہائی دلائے گا۔ صدیوں سے اس دھرتی کے بجار' حضورو' شامو' جانو ہزاروں دوسرے پہاڑوں کی بے رحم گھاٹیوں' صحراؤں کی تپتی ریت میں آوارہ و سرگرداں ہیں ان کے پاؤں میں چھالے' ہاتھوں میں زخم' بازوؤں پر بوسیدہ لباس کی وجہ سے دھوپ نے کالک لکھ دی ہے وہ کنوئیں کے مینڈک کی طرح ایک محدود علاقے میں محبوس ہیں یہی ان کی کائنات ہے کسی وسیع و عریض خوشحال اور ترقی یافتہ دنیا سے وہ کٹے ہوئے ہیں انہیں اس کا ادراک نہیں کون انہیں بتائے کون سمجھائے کہ آج کا انسان چاند میں پہنچ چکا ہے اس کے راکٹ اور سیارے ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں آج دنیا اتنی سمٹ چکی ہے کہ انسان ہزاروں میلوں کا سفر چند گھنٹوں میں طے کرنے لگا ہے کون انہیں یہ شعور بخشے کہ انسانوں نے ریلیں' جہاز اور ذرائع آمدورفت میں اتنی ترقی کی ہے کہ ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک فاصلہ قدموں میں سمٹ چکا ہے سمندروں پر حکمرانی کر رہا ہے پچاس اور سو منزلہ مکان اس کی ترقی کے گواہ ہیں۔ ریڈیو' ٹیلی ویژن' ٹیلی فون اور دیگر عصری سہولیات اس پر مستزاد ہیں۔

پسماندگی میں گھرے ہوئے ان انسانوں کو کچھ بھی معلوم نہیں وہ صرف ریوڑ چرا رہے ہیں جوار اور باجرے کی سوکھی روٹی ان کا مقدر ہے وہ اب تک بھیڑ بکریوں کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں زندگی کے تلخ ایام بسر کر رہے ہیں یہ خیمے نہ تو ہواؤں کی تاب لا سکتے ہیں نہ بارشوں کی بوندوں سے بچا سکتے ہیں اور جب ان کے ریوڑ اور مویشی چارہ نہ ملنے کی وجہ سے مرکھپ جاتے ہیں تو انہیں یہ خیمے بھی نصیب نہیں ہوتے وہ چٹائی تان کر چلچلاتی دھوپ اور کڑکتے جاڑے میں گذارنے پر مجبور ہوتے ہیں ایسی زندگی کس قدر صعب ہے کون جانتا ہے۔ شہروں میں بسنے والوں کو ایسی دکھ بھری زندگی کا کیا تجربہ کہتے ہیں جہاں آگ جلے وہی زمین تپے۔ اس آگ کا کسے احساس جو جلتی ریت میں جسموں کو جھلساتی ہے شہروں میں لوگ کھاتے ہیں پیتے ہیں خوشیوں سے معمور ان لوگوں کو اپنے بھائیوں کی حالت کا اندازہ کب

ہو سکتا ہے جس طرح ان دیہات کے لوگوں کو غربت اور جہالت نے گھیر رکھا ہے اسی طرح ان کے علاقے بھی قدرت کی نامہربانی کے شکار ہیں۔ زمینیں خشک اور جھلسی ہوئے بارشیں راستہ بھول چکی ہیں دھوپ نے جھلسا ڈالا ہے حتیٰ کہ مٹی اور پتھر بھی جھلسے ہوئے ہیں جب آندھیاں چلتی ہیں تو ہر چیز دھول میں اٹ کر رہ جاتی ہے۔ انسانوں کے چہرے اور بال مٹی سے بھر جاتے ہیں ان کے بستر بچھونے کھانے پینے کے برتن گویا ہر ایک چیز دھول سے بھر جاتی ہے۔ مٹی سی کھیلتی یہ زندگی ہمیشہ سے ان کی ساتھی ہے کون جانے اور کتنی صدیوں تک ان سے چمٹی رہے گی۔ ان کی صحت، تعلیم اور ترقی کی کسی کو بھی پروا نہیں ہے میر صاحب ان سے اپنا بھتہ لاٹھی کے زور پر وصول کرتا ہے اس سے کوئی کب یہ امید کر سکتا ہے کہ عوام کی آسودگی اور حقوق کے لئے اس کے کان پر جوں رینگ سکے گی اسے معلوم ہے کہ یہ چرواہے اگر آنکھیں کھولیں گے تو اس کی عیش بھری زندگی اس کا بھتہ معرض خطر میں پڑ جائے گا۔ اسے انسانوں سے محبت نہیں بلکہ ان چرواہوں کی اسے ضرورت ہے تاکہ اس کے لئے سامان عیش بن سکیں اس کی نسل کی شان بڑھائیں اس کا جیب خرچ بڑھے اور اس کے محلوں کی شان بن جائیں۔

انسان کتنا خودغرض ہے اپنی زندگی میں سکھوں کے لئے کتنے ہی انسانوں کی زندگی تباہ کرتا ہے ان تک علم کی روشنی پہنچنے نہیں دیتا وہ چاہتا ہے صدیوں کی یہ تاریکی اسی طرح چھائی رہے جیسے اس کے باپ دادا کے زمانے سے چھائی ہوئی آئی ہے۔ بیسویں صدی میں دنیا ستاروں کو چھو رہی ہے انسان نے زمین اور سمندر کا پیٹ کھنگال کر اس کی حکمت کا پتہ چلا لیا ہے علم و فن کے بلند و بالا مینار تعمیر کئے ہیں قوموں نے بقائے باہمی کے لئے رفاقت، بھائی چارے اور امن کی نئی نئی راہیں تلاش کی ہیں مگر حضورو اور بجار خان کے میر و معتبریں کے ہاتھوں میں وہی پرانی لاٹھی ہے وہ اب تک اسی لاٹھی سے انسانوں کے ریوڑ ہانک رہے ہیں وہ جانتے تو لگتا ہے کہ وقت کا دھارا بدل رہا ہے اب انسان وہ انسان تو نہیں رہا تھے لاٹھی سے ہانکا جائے اس سے علم کی روشنی چھین لی جائے اسے اندھا بہرہ رکھا جائے مگر رجعت کی اپنی ایک روایت بھی ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے انقلاب کی نفی کرنے کی کوشش کرتا ہے ان کو بھی چاہئے کہ روشنی کے سامنے روک نہ بنیں۔

بجار خان اپنی ڈیوٹی احسن طریقے سے ادا کرتا رہا کچھ زمینیں ادھر ادھر گذاریں گذشتہ رات کی طرح آج ایسی سردی نہ تھی اگرچہ چاروں طرف برف جمنے کی وجہ سے رات کی سردی میں کمی نہیں آئی

تھی سرد ہوا کبھی کبھار اپنے کان ہلانے لگتی مگر بجار جیسے جوان کو ایسی سردی کب ڈرا سکتی تھی اس نے خود کو ریلوے کی وردی میں اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا جب باہر جانا پڑتا جانو خان کی چادر سے سر اور چہرہ ڈھانک لیتا۔ اتنے میں رات کے دو بجے۔ دینو کی ٹرین کی آمد کا وقت ہونے لگا تھا۔

"جانو! ارے بھئی جانو! اٹھ بیٹھو دینو کی ٹرین بس آیا ہی چاہتی ہے" بجار خان جانو کو جگاتے ہوئے کہہ رہا تھا جانو اس گرم اور آسودہ کوٹھڑی میں جہاں اسٹوو جل رہا تھا رضائی اور کمبل میں لپٹا ہوا ایسے سو رہا تھا کہ اس کے خراٹے ہی گونج رہے تھے۔ جب آواز دینے پر جانو نہیں جاگا تو بجار خان نے اس کے چہرے سے کمبل کھینچ لیا۔ اب اس نے بھی دو ایک جھٹکے دیئے۔ ہاں بھئی! جانو خان جاگ اٹھا گذشتہ رات بیچارہ ساری رات ڈیوٹی کر کے جاگتا رہا تھا دوپہر میں تھوڑی دیر کے لئے سویا ضرور تھا مگر نیند پوری نہ ہو سکی تھی مگر بجار خان بھی کیا کرتا خود اسی نے تو کہا تھا دینو کی ٹرین کا جب وقت ہو جائے مجھے جگا دینا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو بجار خان اسے جگاتا ہی نہیں۔ جانو نے آنکھیں کھولیں۔ گرم پانی سے منہ دھویا۔

"ہائے رے! کتنی میٹھی نیند سو رہا تھا کیوں جگایا مجھے؟"_ جانو نے کہا۔

"تم یہ سبز چائے کی گرم پیالی پی لو"_ بجار خان نے پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! لاؤ ادھر دو"_ جانو نے پیالی پکڑتے ہوئے کہا۔

"یہی بات تو تمہاری مجھے بری لگتی ہے۔ خود ہی تو کہا تھا مجھے جگانا دینو سے ضروری بات کرنی ہے۔ اب کہتے ہو کیوں جگایا۔ تمہاری کونسی بات مانوں؟" بجار خان نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"ارے میرا بھی تو سر بڑھاپے نے چکرا دیا ہے۔ دینو کی بجائے اچھا ہو کہ میں خود پنشن لے ڈالوں "_ جانو خود پر ناراض ہو رہا تھا۔

"ایسا ہوتا رہتا ہے جانو خان۔ پنشن کی بات مت کرو۔ تم نے پنشن لے لی تو ہم جیسے غریبوں کا کیا ہو گا؟" بجار خان نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"بس میرے بھائی تم خود ہی انصاف سے کہو بیچارے دینو سے اس کے پہلے افسر اور نیچے کے عملے نے کیا کیا نہیں کیا؟" جانو نے کہا۔

"دینو کے ساتھ یہ کیا ماجرا پیش آیا؟ اچھا بھلا صحت مند شخص' ملازمت پر برقرار ہے مگر اسے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے اور جانو خان کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ معلوم نہیں تمہارا کیسا دل ہے ہر کسی

کے درد میں تڑپتا ہے جیسے سب کا درد تمہارا اپنا درد ہے"۔ بجار خان کہنے لگا۔

"بس بجار خان یہی دل تو ہے جس نے مجھے ڈبو رکھا ہے مجھ سے کسی کا دکھ درد دیکھا نہیں جاتا۔ خود کو گروی رکھوں مگر دوسرے کے کام آؤں تم میری زندگی کی تلخیوں سے واقف نہیں ہو"۔ جانو خان نے کہا۔

باب پانزدہم

کسی کے پاؤں کی آہٹ اور جوتوں کی آواز آنے سے جانو اپنے خیالوں کی دنیا سے نکلا۔ آنے والے کے قدموں کی چاپ ابھی دور تھی جانو اٹھا بتی پھونک مار کر بجھائی جیکٹ کے بٹن لگاتا ہوا چادر سر سے لپیٹ ڈالی۔ ریلوے کی دی ہوئے ٹوپی دونوں کانوں تک کھینچ کر کان ڈھانک لئے اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ سورج ابھی تک طلوع نہیں ہوا تھا تاہم قریب اور دور کی چیزیں دکھائی دیتی تھیں ہوا چل تو رہی تھی مگر وہ سینہ زوری اب نہیں رہی تھی جو رات کو دیکھنے میں آئی تھی برف پتھر کی طرح جم چکی تھی پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے تھے صرف پہاڑوں کی چوٹیاں اور چٹان نظر آتے تھے اسٹیشن کے دفاتر دوسری طرف پوائنٹس مین اور ریلوے مزدوروں کے کوارٹر برف پوش تھے زوردار بارش بری تھے جس سے بولان ندی میں سیلاب آگیا تھا آنے والے کے قدموں کی آہٹ معدوم ہو کر رہ گئی۔ جانو خان کو یاد آیا کچھ سال پہلے پرکانی قوم کے کچھ افراد اور اونٹ' بھیڑیں سیلاب میں بہہ گئی تھیں وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر وہ ان بے چاروں کی یہ افتاد یاد کرنے لگا۔

اسی اثناء میں قدموں کی چاپ پھر سنائی دینے لگی پلٹ کر دیکھا بہار خان آ رہا تھا۔ بہار خان اسی اسٹیشن پر چوکیدار تھا۔ کبھی اس کی ڈیوٹی دن کے وقت ہوا کرتی کبھی راتوں کو اس غریب کا کام بھی آسان نہ تھا اسے بھی آٹھ آٹھ گھنٹوں تک چوکسی کرنی پڑتی کل ملا کر تین چوکیدار تھے جو آٹھ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی کرتے۔ دوسرے دو بہت پرانے تھے جب کہ بہار خان حال ہی میں اس ملازمت پر آیا تھا۔ قدرت نے اسے اچھا قدکاٹ بخشا تھا غضب کا ذہین' بلا کا ہوشیار تھا۔ ہر بات کی تہہ تک پہنچنے والا۔ اس کی خصوصیت

یہ تھی کہ اپنے کام پر وقت سے پہلے پہنچ جاتا اور چھٹی اس وقت کرتا جب اس کا ساتھی چوکیدار ڈیوٹی پر آ جاتا۔ اپنے ساتھیوں کو کام کے بارے میں تمام باتیں سمجھانے کے بعد گھر کو چلا جاتا۔ اس پورے اسٹیشن پر وہ واحد کارکن تھا جو ریلوے کی وردی میں اپنے کام پر آیا کرتا۔ کبھی بھی ڈیوٹی کے دوران گھریلو کپڑے نہ پہنتا وہ کہتا تھا ریلوے کی وردی میں دیکھ کر لوگ ہم سے متاثر ہوتے ہیں اور چور اچکے خوف کھاتے ہیں ہم اگر وردی میں نہ ہوں لوگ ہم پر چھا جاتے ہیں انہیں کس طرح معلوم ہو کہ ہم سرکاری ملازم ہیں یا نہیں۔ اسی لئے تو میں سرکاری دی ہوئے وردی پہنتا ہوں۔ بڑی اچھی طبیعت کا مالک شخص ہے بہت کم عرصے میں بجار خان نے جانو خان کے دل میں گھر کر لیا جانو خان کو اس کی طبیعت اور سچائی نے بہت متاثر کیا وہ اپنی بات لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ جاتا کوئی خوش ہوتا یا نہ ہوتا اسے اس کی پروا نہ تھی کچھ ہی دنوں میں ان کی دوستی ایسی بڑھی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

بجار خان نے دور سے ہی السلام علیکم کہا جانو خان نے وہیں کھڑے وعلیکم السلام کہا ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ بجار خان کی ڈیوٹی کا ابھی وقت ہو رہا تھا جب کہ جانو خان رات بھر ڈیوٹی انجام دینے کے بعد اب اپنے ساتھ کارکن کی راہ دیکھ رہا تھا وہ آئے تو یہ چھٹی کر لے۔ بجار خان نے جانو کے چہرے کی طرف دیکھا رات بھر کام کرنے اور شب بیداری سے چہرہ تھکن سے دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ بجار خان سے رہا نہ گیا پوچھ بیٹھا۔

"جانو خان! جان پڑتا ہے کہ گذشتہ رات کی ہوا' بارش اور برف باری میں تم بہت خوار ہوئے ہو"

"ہاں میرے بھائی! نوکری تو ہے ایسی چیز تکالیف تو اس کے ساتھ لگی رہتی ہیں"۔ جانو خان نے جواب دیا۔

"بھئی! گذشتہ رات ہوا نے تو غضب ڈھائے ہیں۔ ہمارے مکانوں کی چادریں اس طرح چیختی تھیں کہ آدمی کو خوف آنے لگتا تھا معلوم ہوتا ہوا سے چادریں اب اڑیں کہ اب اڑیں۔ مگر برف نے چادروں کو بھاری کر دیا تھا ورنہ چادریں تو اڑ کر بولان کی ندی میں پہنچ جاتیں"۔ بجار خان نے بتایا۔

بجار خان اور باتیں بھی کرنا چاہتا تھا مگر جانو خان ایسا تھکا ہوا تھا کہ اس کی باتوں کا جواب ہاں یا نہیں میں دیتا رہا بجار خان نے اندازہ لگا لیا کہ اور زیادہ باتوں کی گنجائش نہیں ہے اس لئے جانو خان سے

رخصت ہو کر آگے روانہ ہو گیا جانو کچھ دیر وہاں ٹہلتا رہااب دوسری ٹرینوں کی آمد کا وقت ہونے لگا تھا اتنے میں جانو کا دوسرا ساتھ ریلوے کی گرم وردی پہنے ہوئے آن پہنچا جانو کے ساتھ حال احوال کیا رات کی سرد ہوا بارش اور برفباری کی باتیں ہوتی رہیں رات بھر ڈیوٹی دینے اور شب بیداری کے باعث جانو خان کا بری طرح سر چکرا رہا تھا اپنے ساتھی سے کہنے لگا میرے بھائی مجھ سے کچھ بولا نہیں جاتا اب میں چلتا ہوں شام کو مجھے پھر ڈیوٹی کرنے آنا ہے۔ تب اس بارے میں باتیں کریں گے البتہ بجار خان سے کہنا سہ پہر کو مجھ سے ملے مجھے یاد نہیں رہا کچھ دیر پہلے وہ مجھ سے مل کر گیا ہے بہر حال اس وقت تک وہ ڈیوٹی پر ہو گا ایک دوسرے سے مڈبھیڑ ہو ہی جائے گی۔

جانو خان یہاں سے سیدھا شامو کے گھر جا پہنچا۔ شامو کے گھر اور کچھ لوگ بھی تھے جو شامو کے بیٹے کی عیادت کرنے آئے تھے سب کے منہ لٹکے ہوئے تھے ان میں شامو کا ایک منہ بولا بھائی بھی تھا جو اپنے ساتھ بھیڑ کا بچہ بھی لایا تھا بھیڑ کا یہ بچہ دیکھتے ہی جانو خان جان گیا کہ یہ پرکانی قبیلے نے روز ۃ ہے۔ بھیڑ کا یہ بچہ شامو کا منہ بولا بھائی لایا تھا تاکہ شامو کے بیٹے کے لئے نیاز دی جائے کہ اسے بیماری سے شفا ملے اور یہ معصوم صحت یاب ہو جائے۔ جانو جب کمرے میں داخل ہوا تو سب ہی لوگ اس کی تعظیم میں اٹھ کھڑے ہوے اس لئے کہ جانو خان کو اس اسٹیشن کے آس پاس کے سب چھوٹے بڑے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جانو خان بھی سب کی عزت کرتا تھا اور ہر ایک کے غم اور خوشی میں برابر کا شریک ہوتا۔ جب سب لوگ بیٹھے تو بلوچی رواج کے مطابق باہم "حال و احوال" کرنے لگے۔ جانو خان نے بچے کا پوچھا۔ شامو نے اسے ساری صورتحال بتائی اور کہا اب تک افاقہ نہیں ہے۔ شامو نے مزید کہا۔ "بھائی لڑکے کی طبیعت سنبھلی نہیں ہے بس خدا کا مال ہے میں بے چارہ بھلا کیا کر سکتا ہوں دوا اور دعا دونوں سے کام لینے میں کمی نہیں کی ہے"۔

"ہاں بھائی! مجھے معلوم ہے بس اللہ پر بھروسہ رکھو"۔ جانو کہنے لگا۔

اس کے بعد جانو خان کے لئے چائے لائی گئی۔ ایک پیالی بڑی مشکل سے اس سے پی گئی بعد میں جیب سے پانچ روپے کا ایک نوٹ نکال کر شامو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بھائی! یہ پانچ روپے میری طرف سے اپنے بیٹے کی نیاز دلوائیں۔ میں اب چلتا ہوں کچھ دیر جا کر آرام کروں گا۔ سہ پہر کو آؤں گا تب بات چیت ہو گی"۔

"جی ہاں! میرے بھائی میں آپ کا غلام- مجھے اندازہ ہے رات کی جسم چھیدنے والی ہوا اور سردی نے آپ کو نڈھال کر ڈالا ہے- اب جا کر کچھ دیر آرام کریں بعد میں ایک دوسرے سے ملیں گے"۔ شامو نے کہا-

بہت غمگین ہو کر جانو وہاں سے اٹھا شامو کی دکھی حالت دیکھ کر اس کا دل بیٹھ رہا تھا- خیال متواتر شامو کے اکلوتے بیٹے کی طرف لگا رہا جو شامو نے نہ جانے کتنی درگاہوں پر جا کر جھولی پھیلا کر مانگا ہو گا- شامو کی باتوں سے یوں لگتا تھا کہ یہ معصوم بچے کا نہیں وہاں سے رخصت ہو کر جانو خان اپنے گھر آیا- اس کا بیٹا یوسف گھر پر نہیں تھا- بیوی نے کچھ روٹیاں اور سالن لا کر اس کے سامنے رکھا- مگر جانو خان پر افسردگی اس طرح طاری تھی کی کھانا ایک جانب کھسکا دیا- بیوی سے کہنے لگا یہاں اسٹوو کے قریب میرے لئے بستر بچھا دے نیند مجھے لے ڈوبی ہے مگر اسٹوو کو بجھنے نہ دینا اور آس پاس شور بھی نہ ہو یہ کہہ کر وہ سو گیا کچھ ہی دیر میں خراٹوں کی آوز آنے لگی-

سہ پہر کے قریب جانو خان کی بیوی نے اسے جگایا جانو خان گذشتہ رات کی محنت شاقہ سے بری طرح تھکا ہوا تھا جگانے پر جسم میں جھرجھری سی آئی نیند میں بڑبڑاتے ہوئے بیوی پر خفا ہو رہا تھا- "کس سانپ نے تجھے ڈس لیا ہے کہ اس طرح جھنجوڑ رہی ہو نیک بخت ڈاکو تو نہیں ٹوٹ پڑے تم پر"۔

"ارے کب میں نے تمہیں جھنجوڑا ہے رات کی شب بیداری اور تھکن سے ایسے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے کہ کروٹ تک نہیں بدلی- اسی ایک کروٹ پر سوئے ہوئے تمہارے خراٹوں کی آواز دوسرے کمرے میں آ رہی تھی میں نے تو ہاتھ تک لگایا نہیں صرف آوازیں دی ہیں"۔ بے چاری بیوی ڈر سے سہم گئی تھی-

"ارے نہیں جانم! تم سے بات نہیں اصل میں رات کی بھاری تھکن سے ہوش جاتے رہے تھے"۔ جانو نے اپنی بیوی کا خوف دور کرتے ہوئے کہا-

"مگر مجھے تو جھڑک کر ڈرا ہی دیا"۔ بیوی نے مسکراتے ہوئے کہا-

"تمہارا قصور نہیں- مجھ پر نیند کا بری طرح غلبہ تھا- اچانک نیند ٹوٹی ہے- میرا خیال تھا خدانخواستہ شامو کا بیٹا....... اپنی بات کہتے کہتے جانو کا منہ جیسے بند ہو گیا اس کی زبان اس بات کو کہنے کی روادار نہ تھی بعد میں اپنی بیوی سے پوچھنے لگا-

"بھلا شامو کے بیٹے کی حالت کیسے ہے تم تو پوچھنے گئی ہو؟"

"ہاں جی! ہمارے سوا اس کا اور ہے ہی کون یہاں۔ شامو کی بیوی تو مرجھا کر رہ گئی ہے منہ اتنا سا نکل آیا ہے بے چاری غموں کی ماری وہ عورت جس کے حسن سے دوسروں کو صورت ملا کرتی تھی اب سیاہ منکہ ہو کر رہ گئی ہے۔ اف! اولاد کا دکھ خدا کسی کو بھی نہ دکھائے اولاد کا غم بہت بھاری ہے۔ دین کے دشمن کی"۔ بیوی نے بتایا۔

"لڑکے کی حالت کیسی دیکھی؟" جانو خان نے بے صبری سے پوچھا۔

"بھئی! میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ناامیدی گناہ ہے مگر مجھے لگتا نہیں کہ یہ معصوم اس بیماری سے شفایاب ہو گا۔ بس ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی تو رہ گیا ہے۔ آنکھیں گھڑوں میں دھنس گئی ہیں۔ زبان بولنے سے رہ گئی ہے"۔ بیوی نے کہا۔

"ہاں! ان باتوں کا تو مجھے پتہ ہے"۔ جانو نے کہا۔

جانو اٹھا۔ وضو کر کے نماز ادا کی۔ بیوی کو پچاس روپے بچا کر دیئے تھے وہ لے کر گننے لگا۔

"میں شامو کے بیٹے کی عیادت کے لئے جا رہا ہوں۔ بجار اگر یہاں آ جائے اسے وہیں بھجوانا"۔

جانو شامو کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ سب لوگ جا چکے تھے سوائے شامو کے منہ بولے بھائی کے۔ جانو کو بتایا گیا کہ بچہ ابھی تک ویسا ہی ہے جانو نے اپنے دوست سے کہا۔ "بھائی! آپ کا کیا خیال ہے میرا مشورہ تو یہ ہے کہ بچے کو کوئٹہ لے جا کر بڑے ہسپتال میں داخل کریں"۔

"دوا دارو تو یہاں بھی جاری ہے"۔ شامو نے جواب دیا۔

"کیا دوا دارو کر رہے ہیں۔ جنگلی جڑی بوٹیاں؟ یہ تو پرانے زمانے کی بات ہے میری مانو تو لڑکے کو شہر لے جائیں یہ دوائیں اسے صحت نہیں دے سکتیں"۔ جانو نے کہا۔

"بھائی جانو خان کی بات درست ہے۔ بچے کو بیٹھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ دیکھیں"۔ شامو کے منہ بولے بھائی نے بھی کہا۔

" ان سوکھی ہڈیوں پر پہاڑی جڑی بوٹیوں کے استعمال سے گوشت نہیں آ سکتا اور جھاڑ پھونک یا تعویذوں سے بھی علاج نہیں ہوتے کتنے تعویذ گنڈھے بچے کے گلے میں ڈال رکھے ہیں جس کے بوجھ سے لڑکے کی گردن جھک گئی ہے"۔ جانو نے تنقید کی۔

"آپ سچ کہتے ہیں بچے کو اسپتال لے جانا ضروری ہے اس شخص نے بھی تائید کی"۔

"آپ کے پاس روپے نہیں ہیں تو مجھ سے لے لیں۔ اسٹیشن ماسٹر سے آپ کے لئے چھٹی میں لے کر دوں گا۔ تمہاری بجائے کام میں کروں گا میں لکھ کر دیتا ہوں مہینہ لگے یا چھ مہینے شامو کی جگہ میں ڈیوٹی کروں گا"۔ جانو نے کچھ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی میں آپ کو اتنی تکلیف نہیں دوں گا"۔ شامو نے جواب دیا۔

"یہ تکلیف کی بات نہیں۔ بس آپ اپنی تیاری کر لیں۔ آپ اور آپ کی بیوی کو لے کر تھوڑی دیر بعد آنے والی ریل سے کوئٹہ لے جا کر اسپتال میں داخل کریں۔ پچاس روپے کی یہ معمولی سے رقم لے لیں ضرورت پڑنے پر مجھی دیو یا حضورو کے ذریعے کہلوا بھیجیں زمین سے ملے یا آسمان سے میں پیدا کر لوں گا"۔ جانو نے تقریباً تحکمانہ انداز سے کہا۔

"میں شامو کو جانتا ہوں کہ وہ کیوں ہچکچا رہا ہے مگر ان باتوں کو رہنے دو۔ بس شامو میں کچھ اور سننا نہیں چاہتا اگر آپ اس آنے والی ریل سے لڑکے کو لے کر نہیں گئے تو میری اور آپ کی یاری ختم" شامو کو ڈراتے ہوئے جانو نے کہا۔

اتنے میں کسی نے شامو کے دروازے پر دستک دی۔ جانو اٹھ کر دروازے کے قریب گیا وہاں بجار خان کو کھڑے ہوئے پایا وہ بھی شامو کے بیٹے کا پوچھنے آیا تھا۔ دونوں آ کر بیٹھ گئے۔

"بچے کا کیا حال ہے؟" بجار نے بتایا۔

"بس اللہ کا مال ہے"۔ شامو نے بتایا۔

"کوئٹہ کیوں اسے لے کر نہیں جاتے"۔ بجار نے پوچھا۔

"اب چاہے لے جائے یا نہ لے جائے میں اپنی بہن اور بھانجے کو خود لے جاؤں گا۔ بھلے سے شامو یہاں رہ جائے۔ بچے ہمیشہ تو نہیں ملتے۔ معلوم نہیں ان سے کس طرح برداشت ہو رہا ہے کہ بچہ اتنے دنوں سے بیمار ہے اور وہ اسے خاموشی سے بیٹھے دیکھ رہے ہیں"۔ جانو نے غصے میں کہا۔

ایک بار پھر اپنے جیب کو ٹٹولتے ہوئے پچاس روپے نوٹ نکال کر شامو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ روپے لے لو۔ فوراً" تیار ہو جاؤ کام کی بالکل بھی پرواہ نہ کرنا میں تنہا تمہاری ڈیوٹی بھی کر

لوں گا مجھے کچھ نہیں ہو گا مر نہیں جاؤں گا ویسے بھی اپنی عمر میں نے گزار لی ہے بڑھاپا آ چکا ہے آج نہیں تو کل مرنا ہے مگر اس بچے نے ابھی بڑی عمر گذارنی ہے پڑھنا لکھنا ہے شامو تم خود کہتے تھے کہ میں اپنے بیٹے کو پوری تعلیم دلاؤں گا خواہ مجھے اس کے لئے بھیک مانگنا پڑے جانو جذبات کی رو میں یہ ساری باتیں کہتا گیا۔

"میرے بھائی جانو خان کی بات سچی ہے آپ کے پاس روپے نہیں ہیں تو ہم کس مرض کی دوا ہیں اگر اس وقت ہم کام نہ آئیں تو حیف ہے ہماری زندگی پر۔ جانو خان کے ساتھ مل کر میں آپ کی جگہ کام کروں گا آپ جا کر اپنے بیٹے کا دکھ دور کریں یہ تیس روپے میرے پاس ہیں یہ بھی لے لیں وہاں کام آئیں گے"۔ بجار خان نے روپے بڑھاتے ہوئے کہا۔

شامو ایک جوانمرد تھا' دوستوں کی باتوں سے وہ مشت خاک بن کر رہ گیا جانو خان سے بے تکلفانہ تعلقات تھے مگر بجار خان اور اپنے منہ بولے بھائی کے سامنے روپے لے کر رکھ لینا ناک کٹنے جیسی بات تھی۔

"شامو' یہ برے وقت انسانوں پر آیا ہی کرتے ہیں ہم آپ کے بھائی ہیں ہم سے روپے لینے میں شرم اور ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے ہم اپ کو بھیک نہیں دے رہے یہ قرض ہے خدا آپ کے بیٹے کو صحت بخشے آپ یہ ہمیں لوٹا دیجئے مگر آج ہمیں مایوس نہ کریں کہتے ہیں شاہوں کے دسترخوان بھی کبھی خالی ہو جایا کرتے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ آج کل آپ تنگدست ہیں بیٹے کی دوا' دارو' علاج معالجے اور تعویذ گنڈوں کے لئے ہر اثاثہ داؤ پر لگا لیا ہے ہم پر افسوس ہو گا اگر ہم آپ کی یہ حالت دیکھ کر خود کو چھپائیں آپ ایک جوانمرد ہیں زندگی بھر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا ہے آج ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں منت کرتے ہیں کہ یہ روپے رکھ لیں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں اب چاہئے کہ آپ کو اور کوئی فکر نہ ہو"۔ جانو نے کہا۔

"فکر کی بات ہی کون سی ہے۔ لڑکے کو لے جانے کے لئے رقم کا بندوبست ہو چکا ہے کام آپ کا میں کروں گا۔ اور تردد کیا ہے؟" بجار خان نے اسے تسلی دی۔

عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ جانو' بجار اور شامو کے منہ بولے بھائی نے شامو اور اس کے گھر والوں کو اسٹیشن لا کر ریل میں بٹھا دیا۔ سب نے رخصت لی ان کے لئے دعا کرتے ہوئے اپنے گھروں کو ہو لئے۔

بجار نے جانو سے کہا شام کو میں آؤں گا دونوں مل کر ڈیوٹی بھی کریں گے اور مشغول بھی ہوں گے۔

وقت تیزی سے گذرتا رہا جانو خان اور بجار خان دونوں شامو کی ڈیوٹی کرتے رہے شامو کے بیٹے کا علاج ایک عرصے تک جاری رہا ڈاکٹروں کا کہنا تھا اس کے بیٹے کو اسپتال میں بہت دنوں تک رہنا ہو گا اس لئے کہ اس معصوم بچے کے جسم پر صرف کھال اور ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں جسم کا خون اور پانی سوکھ چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ یہ بات دل سے نکال دیں کہ بچہ دو چار دنوں میں صحت یاب ہو جائے گا۔ یہ تم نے عقلمندی کا مظاہرہ کیا ہے کہ اسے اسپتال تک لے آئے۔ ورنہ یہ بے چارہ گھل گھل کر مر جاتا یہ ساری باتیں شامو نے جانو کے لئے کہلا بھیجیں کہ ڈاکٹر یوں کہتے ہیں جواب میں جانو خان نے کہلوایا کہ چاہے تمہارے بیٹے کو ایک سال ہی اسپتال میں رہنا پڑ جائے اس کی پرواہ نہ کریں بیٹے کی علاج کی فکر کرنا آپ کے لئے چھٹی کی درخواست دے رکھی ہے۔ جانو خان اور بجار خان ہر رات کام کرنے آ جاتے بجار خان اپنی ڈیوٹی کی وجہ سے کبھی نہ بھی آ سکتا۔ مگر جانو خان نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی نیند' اپنا چین آرام دوست کے لئے تیاگ ڈالا تھا۔ بجار خان کی وجہ سے اسے کچھ سہولت ملتی۔ اسی پرانے بنچ پر جو کوٹھڑی میں رکھا ہوا تھا باری باری سو لیتے اور کچھ نہ کچھ نیند پوری ہو جاتی دن کو جانو اور بجار خان اپنی ڈیوٹی بھی کیا کرتے تھے بہت دنوں تک دن رات انہوں نے ڈیوٹیاں انجام دیں جانو اور بجار خان ایک دوسرے کا سہارا تھے۔

باب شانزدہم

جانو خان اپنا غم غلط کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر آنے والے ہر نووارد سے اس کی زندگی کے حالات پوچھتا بلکہ اسے اپنا فرض تصور کرتا۔ ایک دن بولان میل کو گذار کر وہ اور بجار خان پواسٹس مین کی کوٹھڑی میں بیٹھے اپنے اپنے خیالات میں غرق تھے جانو خان نے منہ پھیر کر بجار خان سے پوچھ لیا

"بجار خان تم نے اپنی زندگی کے حالات کبھی بھی نہیں بتائے" تمہارا آبائی مقام کون سا ہے؟ یہاں آنے سے پہلے کیا کیا کرتا تھا؟ وہاں سے کیوں چھوڑ کر چلا آیا؟"

بجار خان اس سوال پر کچھ افسردہ ہوا۔ اک آہ بھرتے ہوئے بولا۔

"جانو خان اس بات کو یہیں رہنے دو۔ دل کے زخم کیوں ہرے کرتے ہو؟"

"تم مجھے اپنا بڑا بھائی نہیں سمجھتے" جانو خان نے روٹھتے ہوئے کہا۔

"جانو خان" نہ۔ یہ بات نہیں ہے میں اپنے دکھوں کو بھلا دینا چاہتا ہوں۔ دن جانے والی باتوں کا کیا فائدہ۔ جو بھی گذرا بھلا یا برا اس پر مٹی ڈالو" بجار خان کے چہرے پر تلخی عود کر آئی۔

"اچھی بات ہے۔ مجھے غیر سمجھتے ہو تو رہنے دو۔ ہاں! یہ میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں تمہارے لئے بڑے بھائی کی طرح سوچتا ہوں۔ تمہارے دل میں اگر کوئی غم ہے اگر تمہیں کسی دکھ کا سامنا ہے مجھ کو بتا دینے سے مصیبتیں بٹ جایا کرتی ہیں۔ اس طرح تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ جانو خان نے اسی خفگی سے کہا۔

"ارے بھائی! آپ تو ناراض ہو گئے۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔ میں سوچتا ہوں کہ اپنے غموں

سے آپ کو کیوں ہلکان کروں- میرے دکھ بہت سارے ہیں- ان گنت ہیں"_ جانو خان کی خفگی پر بجار خان نے پشیمان ہوتے ہوئے کہا-

"بھائی میں آپ کا دل برا کرنا نہیں چاہتا اگر کہنے کی بات نہیں تو نہ کہیں- جانو خان نے مسکراتے ہوئے کہا-

"میرے بھائی! میں خاران کا رہنے والا ہوں- خاران شہر سے دور مشرق کی طرف ہمارا گاؤں ہے ہم خانہ بدوش لوگ ہیں ہمارا گذارا یکسر مالداری پر ہے زمینیں بارانی ہیں کبھی بارشیں ہوتی ہیں تو کچھ آبادی ہوتی ہے ورنہ زمینیں بنجر پڑی رہتی ہیں خانہ بدوش نہایت غریب ہوتے ہیں غالباً" اس لئے کہا گیا ہے کہ "خاران جائے خواران" یہ بالکل سچ کہا ہے- یوں تو پورا بلوچستان پسماندہ اور غربت کا مارا ہے مگر جیسی غربت ہمارے ہاں ہے وہ خدا کسی کے نصیب نہ کرے- جانو خان ہمارے غربت ہماری دربدری' ہمارے دکھ اور ہماری مصیبتیں' بیماریاں اور بے روزگاریاں کوئی قریب سے آ کر دیکھے انسانی سینہ شق ہو کر رہ جائے کسی کو سوکھی روٹی ملے تو اس کے لئے بمنزلہ پلاؤ ہے- سالن کسے کہتے ہیں وہاں کے لوگوں کو نہیں معلوم- آباد سالوں میں مالوں کی برکت سے لسی' دہی' کھروت' یا گھی مکھن سے ضرور واقف ہیں مگر گھی مکھن وغیرہ ہم خود استعمال نہیں کرتے کہ ان کو بیچ کر کپڑے لتے' ضروریات زندگی کی دوسری چیزیں حاصل ہوتی ہیں- ورنہ دوسری چیزیں آئیں گی کہاں سے؟ نوکریاں وہاں ناپید' روزگار وہاں مفقود' نہ کوئی باغ' نہ پھل پھول نہ خوشیوں کے شادیانے- مالداری واحد وسیلہ حیات ہے اگر قحط چھا جائے تو یقین کریں ہمارے لوگ کھجور کی گٹھلیاں پیستے ہیں انہیں چھان پھٹک کر جنگلی جڑی بوٹیوں میں ملا کر پکاتے ہیں یہ ہوتی ہے خوراک- جانو خان ہم بجا طور پر سوچتے ہیں کہ مسرتوں میں جھولتی اس بھری دنیا میں ہم جیسے غریب اور نہیں ملیں گے- کون کھجور کی گٹھلیاں اور جھاڑیوں کی جڑ اس مہذب دور میں کھاتا ہے آپ کا دل اسے مانے یا نہ مانے مگر یہ سورج کی طرح درخشندہ حقیقت ہے- ہمارے گاؤں کے لوگ تعلیم' صحت' سماجی بہبود' تعمیر و ترقی سے یکسر محروم ہیں- ان کے جسموں پر لباس' سروں پر پگڑیاں اور دوپٹے نہیں ہیں- ہمارا علاقہ گرم علاقوں میں سے ہے تپتی ہوئی ریت جھلستی ہوئی دوپہر میں چھوٹے بچے' خواتین اور بوڑھے ننگے پاؤں پھرنے پر مجبور ہیں- پیوند لگے کپڑے' دھول سے اٹے ہوئے مرجھائے چہرے' غموں سے بوجھل' صعوبتوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی کمریں' چہروں پر لکھی ہوئی بھوک' عہد حاضر کے لئے کھلا احتجاج

ہے"۔

کیا یہی ہے مرے تہذیب کی عالمگیری؟
کیا یہی ہے مرے بے مثل تمدن کا کمال؟

بجار خان بتا رہا تھا کہ "اس کے علاقے میں کڑکتی دوپہر میں غریب ننگے پاؤں پھرنے پر مجبور ہیں- کچھ لوگ کھجور کی چھال اور پتوں سے ایسے چپل بناتے ہیں جن کے صرف تلے ہوتے ہیں رسیوں کی مدد سے باندھ کر پہنتے ہیں مگر یہ دیرپا نہیں ہوتے بہت سا وقت ان کے بنانے پر صرف ہوتا ہے اور جلد ہی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں- انسانی سہولتوں کا یہ عالم ہے کہ خواتین میلوں کے فاصلے سے مشکیزے کمر پر رکھ کر پانی لاتی ہیں- یہ مصائب صرف عام لوگوں کو درپیش ہیں میر اور معتبر جن کا حکومت میں اثر و نفوذ ہے جو شہر میں نہایت عیش و آرام کی زندگی گذارتے ہیں- ہر مالدار پر ایک طرح کا ٹیکس (گھال) عائد ہے وہ معتبرین یا سردار کے لئے اپنے ریوڑ سے ہر سال چند بھیڑ بکریاں لا کر پیش کرتا ہے اگر اس ٹیکس میں تاخیر یا تساہل ہو جائے تو سردار کے کارندے خود آ کر مالدار سے یہ ٹیکس وصول کرتے ہیں بلکہ جرمانے میں اور بھی بہت کچھ بزور سمیٹ کر لے جاتے ہیں- ہر سال دیہاتیوں کو سرداروں یا معتبرین کی خوراک کے لئے اپنے مال سے جانور اور اپنی زرعی پیداوار سے چھٹا حصہ دینا ہوتا ہے جو لوگ اس ٹیکس کی استطاعت نہیں رکھتے ان سے ایک مقررہ وقت تک بلامعاوضہ مزدوری کرائی جاتی ہے- کوئی انکار کرے تو پھر اس کی خیر نہیں"۔

بجار خان کہہ رہا تھا "ایک مرتبہ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے میرا والد یہ ٹیکس ادا نہ کر سکا مالدار خود بھوکوں مرنے لگے- جانور مرکھپ گئے چند دبلے اور کمزور رہ گئے والد سوچنے لگا ان مریل جانوروں سے جو نہ ذبح کے قابل ہیں نہ کھانے کے ٹیکس میں کیا دوں؟ سالن کے کام آتے تب بھی کوئی بات تھی- یہ صورتحال دیکھ کر گھر والوں کو اور ریوڑ کو لئے ہوئے کسی اور مقام کی جانب چل دیا جہاں سنا تھا کہ کچھ بارشیں بری ہیں- جانوروں کے لئے کچھ گھاس اگی ہے ورنہ یہاں رہ کر تو ان مریل جانوروں سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے- جیسے کہ خانہ بدوشانہ زندگی کی روایت ہے کچھ اور گھرانے بھی ہمارے ساتھ ہو لئے- آہستہ آہستہ جانوروں کو چراتے ہوئے دو دنوں میں ہم تقریباً پندرہ بیس میل طے کر چکے تھے تیسرے دن جھلتی دوپہر میں ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھ اونٹنی سوار آتے نظر آئے- تھوڑی دیر گذری ہو گی کہ

انہوں نے ہمیں آ لیا۔ اونٹنیاں جھکائیں۔ اتر کر علیک سلیک اور بات چیت ہوئی انہوں نے والد صاحب سے کہا تم نے میر صاحب کا حصہ کیوں نہیں بھجوایا۔ اب کیا دیکھ رہے ہو؟ سب ہی لوگوں نے اپنا حصہ بھجوایا تھا تم نے مال تو نہیں بھیجا فرار ہو کر جا رہے ہو۔ والد صاحب نے بہت کہا کہ بھائیو! میرے ریوڑ سے صرف یہ چند دبلے اور مریل جانور رہ گئے ہیں ان سے بھلا میر صاحب کو کیا پیش کروں؟ جانوروں میں نہ خون بچا نہ پانی کہ میر صاحب کی بجی کے کام آ سکے خدا مہربان ہے اگر بارش اور آبادی ہوئی تو یہ بے مصرف ریوڑ بڑھ جائے گا۔ میر صاحب کو دونوں سالوں کا نذرانہ پہنچا دوں گا۔ آپ خود دیکھ لیں ان جانوروں میں جان ہی نہیں رہی ہے۔ چل پھر بھی نہیں سکتے دو دنوں میں ہم بمشکل آدھے دن کا سفر کر چکے ہیں۔ میں فرار نہیں ہو رہا۔ ہم سب نے یہ سنا ہے کہ اس طرف کچھ بارشیں بری ہیں ان جانوروں کی خاطر ہم نے ادھر کا رخ کر کے کوچ کیا ہے تاکہ ان کی جانیں بچ سکیں یہی چند جانور ہی تو ہمارا اثاثہ ہیں۔ مگر وہ بھلا کب کسی کی سنتے ان کی آنکھوں پر تو غرور کی چربی چڑھ چکی تھی وہ والد صاحب کو برا بھلا کہنے لگے اور حکم دیا کہ لوٹ چلو۔ میر صاحب نے تمہاری طلبی کی ہے اپنے جانور بھی لیتے چلو۔ والد صاحب نے ان کی بڑی منت سماجت کی کہ بھائیو! یہی چند جانور میرے بچوں کا رزق ہیں آپ انہیں لے جائیں گے تو میرے بچے کیا کھائیں گے۔ ان کی گذر بسر کیسے ہو گی ان بھیڑوں کی اون سے ہم اپنے پہناوے خریدتے ہیں ان کی بنیاد پر ہمیں کہیں سے تھوڑا سا قرضہ مل جاتا ہے ورنہ ہندو مہاجن تو ہمیں اپنی دکان کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیں گے۔ ان پر والد صاحب کی عاجزی کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا وہ تو آئے تھے والد صاحب اور ریوڑ کو لوٹ کر لے جانے کے لئے۔ ہمارے ساتھ جو دوسرے ہمراہی تھے انہوں نے بھی منتیں کیں۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے آپ ابھی جائیں ہم اس کی ذمہ داری لیتے ہیں کہ آئندہ سال وہ میر کا حصہ ان کے گھر لا کر پیش کر دے گا مگر وہ ظالم کب ٹلنے والے تھے وہ تو میرصاحب کے سامنے اپنے نمبر بڑھانا چاہتے تھے۔ والد صاحب نے ان سے کہا یہ چند جانور جو بچے ہیں یہ لیتے جاؤ۔ مجھے کیوں گھسیٹتے ہو وہ یہ بات بھی نہیں مانے۔ اس مرحلے پر جو دوسرے ہمراہی سمٹ کر آ گئے تھے انہوں نے ان بدبختوں کو آنکھیں دکھائیں اور کہا تم نہیں مانتے تو جاؤ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر ڈالو۔ اب وہ کچھ نرم پڑ گئے مگر ریوڑ ہانک کر وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں جا کر میرصاحب نے الٹا سیدھا کہا کہ فلاں شخص نے ہمیں حصہ دینے سے انکار کر دیا ہے بلکہ دھمکایا ہے کہ تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہے کر لو۔ میرصاحب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے دانستہ ریوڑ کا

راستے میں مر جانے کا واقعہ چھپایا۔

میرصاحب اس بات سے طیش میں آ گئے مگر یہ سوچ کر خاموش ہو گئے کہ دیکھیں گے جب سال کے بعد یہ لوٹ کر آئے گا تو میرا ٹیکس کس طرح ادا نہیں کرے گا کیسے وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے گا آنے والا سال اور بھی قحط ساتھ لایا جو بچے کھچے جانور ہم چرانے اور پالنے لے گئے تھے قحط کی وجہ سے مرکھپ گئے۔ والد صاحب پر اپنی غربت اور بے چارگی نے اتنا اثر ڈالا کہ اسی سال اس جہان فانی سے سدھار گئے میں اس عرصے میں اتنا بڑا ہو چکا تھا کہ اپنی والدہ اور بہنوں کو لے کر کہیں سے تھوڑی سی رقم کا انتظام کر کی اس طرف چلا آیا۔ اس طرح ہم میر کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو گئے ورنہ معلوم نہیں وہ ہم سے کیا سلوک کرتا۔ والد صاحب تو رہے نہیں میں بھلا میرصاحب کا مقابلہ کب کر سکتا تھا یہاں آ کر ہم اپنے ایک دور کے رشتہ دار کے ہاں رہے اس غریب نے ہمیں اپنے گھر رکھا بہت سالوں کے بعد مجھے ان کی مدد سے یہ ملازمت ملی۔ یہ ہوں میں جو آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں"۔

"ہاں جی! ان لوگوں کی مشکلات کی تو انتہاء نہیں"۔ جانو خان نے کہا۔

"مشکلات کا کیا پوچھتے ہو کسی کو کیا معلوم کہ ہم ان بے رحم دکھوں کے پنجے میں کس طرح جی رہے ہیں۔ میں تو سوچتا ہوں اس بھری دنیا میں ہم جیسے مصائب میں مبتلا اور نہیں ہو سکتے"۔ بجار خان نے اپنے احساس کا اظہار کیا۔

"کوئی دوسرا مبتلا ہو یا نہ ہو مگر خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے"۔ جانو خان نے کہا۔

اس کے بعد بجار خان نے جانو خان سے کہا آپ کچھ دیر کے لئے اس بنچ پر آرام کر لیں۔ میں لائن کلیئر دینے اور ریلوں کو گذارنے کا کام کرتا رہوں گا۔

"اچھا! پھر جا کر تیاری کریں۔ ٹرین کی آمد کا وقت ہو گیا ہے آج ڈیو ایک ٹرین کے ساتھ آئے گا اور اس کی ٹرین کراسنگ کے لئے کچھ دیر اس اسٹیشن پر رکی رہے گی۔ ڈیو آ جائے تو مجھے جگا دینا اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں"۔ جانو خان نے ہدایات دیں"۔

"اچھا! ہم چلے آپ سو رہیں"۔ بجار خان نے جواب دیا۔

باب ہفت وہم

ایک دن سبزل خان نے اپنے گاؤں کے ان لوگوں کو جو اب تک کسی طرف نہیں گئے تھے بلوایا اور ان کے مشورے سے یہ طے کیا کہ ہر رات کچھ آدمی گاؤں میں چوکسی کیا کریں اور خود اپنا نام بھی ان چوکسی کرنے والوں میں شامل کیا اگرچہ گاؤں والوں نے بہت اصرار کیا کہ اس کام کے لئے ہم خود کافی ہیں مگر انہوں نے گاؤں والوں کی یہ درخواست کہ گھر میں صرف ان کی بیوی' ننھا سا جانو خان اور ایک معذور والدہ ہے اسے ان کی دیکھ بھال کرنی چاہئے ہماری ساتھ چوکسی کی ضرورت نہیں سبزل خان نے یہ قبول نہ کیا۔ اسے یہ بات قطعی ناپسند تھے کہ وہ گھر میں پاؤں پھیلا کر سویا کرے گاؤں کے لوگ اپنا آرام تیاگ کر رات بھر شب بیداری کرتے رہیں۔ سبزل خان اس پر اڑا رہا کہ اس مصیبت کی گھڑی میں وہ بھی اپنے گاؤں والوں کی مدد ضرور کرے گا۔ چنانچہ طے پایا کہ ہفتہ کے سات دن فلاں فلاں حدود تک کون شخص دیکھ بھال کا ذمہ دار ہو گا لاٹھیاں اور توڑے کی بندوقیں یا جو بھی اسلحہ دستیاب ہو اپنے ساتھ رکھ لیا کریں اس طریقے سے ہفتہ دو ہفتہ گذرا رات رات بھر گاؤں والے عشاء کی نماز سے صبح صادق تک اپنے گاؤں کی دیکھ بھال اور چوکیداری کرتے رہے اس دوران کسی قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جس سے کسی کو شک گذرتا۔

دوسری طرف میرسائیں داد اپنا مشن نہایت احتیاط اور رازداری سے آگے بڑھاتے رہے اسے سبزل خان کے چچیرے بھائی میرجان خان کے ذریعے چوکسی کرنے والوں کے نام اور ان کے لئے تعین کردہ حدود کی اطلاعات پہنچتی رہیں۔ کہتے ہیں گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے جان خان نے ایک بھلے مانس' نیک اور انسان

دوست شخص کی تباہی کے لئے اپنی غیرت سے ہاتھ اٹھا لئے تھے اصل میں جہان خان یا اس قبیل کے لوگوں سے شکوہ بے جا تھا وہ تو اس راستے کے راہی تھے جن پر ان کے آباؤ اجداد گامزن رہ چکے تھے ایسے لوگوں سے یہ امید کہ وہ عوام کی خیرخواہی میں جانیں لڑائیں گے سراب سے بڑھ کر اور کچھ نہ تھا ان کا تو مقصد بس ایک ہی تھا کہ عوام انہیں ٹیکس اور کباب کے جانور دیتے رہیں وہ جب بھی گاؤں سے رجوع کریں چند ایک جوال گیہوں' چند نوزائیدہ برے اور بچی کے لئے بھیڑیں ملا کریں۔ شک اور ہنتک سے علاوہ بھی لوگ اپنی محنت اور پسینے کی کمائی سے ان کے گھروں اور مہمان خانوں کی لئے ضروریات فراہم کرتے رہیں۔ سبزل خان کے اعلیٰ کردار میں لوگوں نے ان میں تمیز کرنا سیکھ لیا جس سے مخالفین غم و غصے میں پیچ و تاب کھا رہے تھے وہ اسے ہر قیمت پر اپنی راہ سے ہٹانا چاہتے تھے۔

میر سائیں داد کو تمام اطلاعات ایک ایک کر کے پہنچتی رہی تھیں۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اس نے ایک ایسے وقت کا انتخاب کیا جب تاریخی ہفتہ سی شروع ہوتا تھا۔ اس نے چالاکی یہ کی کہ اس جشن کے موقع پر تمام سرکردہ معتبرین میر و امیر جمع ہوتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں سے شک رفع کرنے اور خود کو اس قتل سے بری الذمہ قرار دلانے کے لئی تمام معتبرین اور امراء اپنے اپنے طور پر روانہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ ماضی میں بھی ای طرح ہوتا رہا تھا کسی کو اس میں شبہ ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ سب کیوں ایک ساتھ مل کر جا رہے ہیں۔ میر سائیں داد نے اپنے آدمیوں کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ اس کی سی چلے جانے کے چند دن گذریں جب چوکی کرنے میں سبزل خان کی باری آئے۔ تم میں سے دو آدمی اس قرب و جوار میں چھپے رہیں۔ چاند کی روشنی میں وہ بہرحال سبزل خان کی شناخت کر سکیں گے۔ جونہی سبزل خان پہرہ داری کرتے ہوئے ان کی زد پر آئے ان پر حملہ کر دیں اور دونوں پھر گاؤں کی دو مختلف سمتوں میں بھاگ کھڑے ہوں اس عمل کے دوران برابر ہوائی فائرنگ جاری رکھیں تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیلے اور وہ ادھر ادھر بھاگتے رہیں۔ ہاں یہ بالکل ضروری ہے کہ نشانہ خطا ہونے نہ پائے ایک ہی گولی میں کام تمام ہو جائے۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ انہیں کامیابی حاصل ہو چکی ہے خود کو گھوڑوں تک پہنچائیں اور سندھ کے فلاں مقام پر جا کر دم لیں۔ ای رات میں ہی ان کو وہاں سے فرار ہونا چاہئے۔

ان دونوں قاتلوں نے ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے آدھی رات کو چاند کی دھیمی روشنی میں خود کو کسی نہ کسی طرح مقررہ مقام پر پہنچایا۔ سبزل خان اور بدل خان پہرہ دیتے پھرتے پھراتے ایک مقام پر آ کر

ٹھہر گئے اور باتوں میں لگ گئے بعد میں سبزل خان نے بدل خان سے کہا آپ لوٹ جائیں میں بھی آگے دیکھ بھال کر اسی طرف آ جاؤں گا- بدل خان کے جانے کے خاصی دیر بعد تک سبزل خان گھوم پھر کر اس ظالم کی نشانے کی زد پر آیا- آدھی رات میں بندوق کی آواز گونج اٹھی دوسری طرف جو شخص چھپا بیٹھا تھا اس نے ہوا میں بندوق داغ دی- سبزل خان کے ساتھ پہرہ دینے اور چوکسی کرنے والے پریشان اور سرگرداں ہونے لگے کہ وہ کس طرف دوڑ کر جائیں- خاصا وقت گذرنے کے بعد وہ سبزل خان تک پہنچے تب یہ عوام کا بہی خواہ ہمیشہ کے لئے اس دارفانی سے کوچ کر چکا تھا کچھ لوگ ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرتے رہے تاکہ قاتلوں کو پکڑ سکیں مگر انہیں یہ تک معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون لوگ تھے کہاں سے آئے تھے کس طرف کو نکل گئے-

میرسائیں داد کا ہدایت یافتہ جرائم پیشہ آدمی کچھ دور چھپ کر ان کی حرکات دیکھ رہا تھا اس نے جب ان بھگوڑوں کو گہری نیند سوتے ہوئے پایا- چھپتے چھپاتے' بچتے بچاتے وہ ان کے قریب پہنچا خنجر نکال کر سبزل خان کے قاتل کے سینے میں ایسی مہارت سے گھونپ دیا کہ اس کی ایک گھٹی ہوئی چیخ سے دوسرا ساتھی جاگ گیا کن انکھیوں سے دیکھا کہ اس کا ساتھ مارا جا چکا ہے لیٹے لیٹے بچھی ہوئی چادر کے نیچے جھپٹ کر بندوق نکالی اور اجنبی کو ایک ہی تیر سے ڈھیر کر دیا- بندوق کی گولی کی تاب نہ لاتے ہوئے قلابازی کھاتے ہی بندوق چلانے والے نے نئے خونی کو جس نے سبزل خان کے قاتل کے سینے میں خنجر پیوست کر دیا تھا پہچان لیا یہی تو وہ شخص ہے جو سبزل خان کا ریوڑ ہنکا کر لے گیا تھا اور چرواہے کو شہید کر دیا تھا وہ فوراً" اس بات کی تہہ تک پہنچ گیا کہ یہ ساری کی ساری کارستانی میرسائیں داد ہی کی ہے جو چور سے چوری کرنے کو کہتا ہے اور اہل خانہ کو چوکس کر دیا کرتا ہے- ہمارے ہاتھوں سبزل خان اور کچھ دوسرے لوگوں کو قتل کرانے کے بعد اس شخص کی مدد سے ہمارا پتہ کاٹنا چاہتا تھا تاکہ اس کی سازش کا کسی کو بھی علم نہ ہو موت کے منہ سے بچنے والے اس شخص کا نام شولی تھا کچھ دنوں کے وقفے سے چوری چھپے وہ میر سائیں داد کی اس دورافتادہ مقام تک پہنچ گیا جہاں وہ جرائم پیشہ افراد کو پناہ دے کر رکھتا تھا- گھروں سے کچھ دور اس نے اپنا گھوڑا چرنے کے لئے چھوڑ دیا خود گھٹنوں گھٹنوں چلتا ہوا ایک کھنڈر میں چھپ کر گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا- میرسائیں داد بگی کے میلے سے لوٹ کر آ گیا تھا اور سبزل خان کی موت کی اطلاع بھی اسے مل چکی- دل ہی دل میں وہ بہت خوش ہو رہا تھا- اسے اس بات کا بھی اطمینان تھا کہ سبزل خان کو قتل کرنے والا بھی

اپنے ساتھی کے ساتھ اس وقت تک جہنم رسید ہو چکا ہو گا وہ اپنا منحوس چہرہ لئے گھر کی طرف محو خرام تھا شولی جو موقع کی طاق میں کھنڈر میں چھپا بیٹھا تھا دیکھتے ہی اس کا خون کھول اٹھا۔ دل میں کہنے لگا' خوش آمدید' خدا لائے آپ کو۔ آپ نے بھی بہت سے گھر اجاڑے ہیں اب زندگی آپ پر بھی حرام ہے۔ میر صاحب گھر کے قریب پہنچ کر داخل ہونا چاہتا ہی تھا کہ شولی الٹے پاؤں چپکے سے وہاں سے ہٹ گیا اسے معلوم تھا کہ میر سائیں داد اس جرائم خانے میں زیادہ دیر نہیں رکے گا۔ اس نے اپنے بائیں پکڑی اسے ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں کھڑا کر کے بندوق میں گولیاں بھرنے لگا۔ بندوق لوڈ کر کے اسے چوما اور سرگوشیوں سے بندوق سے مخاطب ہو کر بولا میرے یار کئی ایک کو تو نے ناحق مارا ہے مگر آج تمہاری گولیاں ناحق مروانے والے کے دل کو چھیدیں گی۔ اب اس کے بعد اس طرح کے کام کرنے سے میں توبہ کر لوں گا۔ اللہ تعالیٰ اگر میرے بہت سے کئے ہوئے گناہ معاف نہ بھی کرے اس ظالم سے نبٹنے پر کچھ کم ضرور کر دے گا اس بد حیثیت انسان کے ظلم سے قرب و جوار میں خلق خدا عذاب میں مبتلا ہے۔ اب سورج بھی افق مغرب میں گھٹنے ٹیکنے لگا تھا اور آہستہ آہستہ دور کے اونچے پہاڑوں کے پیچھے چھپنے لگا تھا کووں کے جھنڈ اپنے پہاڑی گھونسلوں کی طرف اڑے جا رہے تھے' چڑیوں کی چند ڈاریں شولی کے سر کے اوپر سے اڑ کر نکل گئے یہ پرندے میرصاحب کے گھر کے قریب درخت کی ٹہنیوں میں غائب ہو گئے مگر شولی کی تمام تر توجہ ماں کے اس لاڈلے کی طرف مرکوز رہی جس نے خلق خدا کو تنگ کر رکھا تھا کہ وہ نکلے تو یہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو۔ اندھیرا اب گہرے ہونے لگا تھا شولی کو یہ بات پسند آئی کہ گہرے ہوتے اندھیرے میں وہ لوگوں کی نظروں سے بچ نکل جائے گا تاہم ساتھ ہی یہ تشویش بھی تھی کہ بہت زیادہ تاریکی میں کہیں اس کا نشانہ چوک نہ جائے اتنے میں میرصاحب نہایت شان سے نکل کر گھر کی طرف ہو لئے اب وہ شولی کے نشانے کی زد پر آ چکا تھا شولی نے بندوق کو ایک بار پھر پیار کیا اور شست لینے لگا میرصاحب کے قریب آتے ہی بندوق کی آواز فضا میں گونج اٹھی گولی میرصاحب کے سر میں پیوست ہوئی اور وہ دھڑام سے نیچے آ رہا شولی نے ندی کی طرف رخ کیا اور دوڑتا ہوا گھوڑے کے پاس پہنچا اسی ندی میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہاڑیوں کی تنگ نائے میں غائب ہو گیا۔ گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے وہ اس علاقے سے دور جا چکا تھا۔

ہشت و ہم

ٹرین آنے کی آواز قریب آ رہی تھی' جانو نے چادر اپنی جسم سے لپیٹ لی' بتی ہاتھ میں لے کر باہر آیا۔ بجار اسی بنچ پر آرام سے لیٹ گیا رضائی اور کمبل اوڑھ کر دل میں کہا اب جانو خان جانے اس کا کام۔

دیتو کی ٹرین آن پہنچی اور مین لائن سے ہٹ کر دوسری پٹڑی پر رک گئی جانو دوڑتا ہوا انجن کے پاس جا پہنچا دعا سلام کرنے کے بعد دیتو سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ دوسری ٹرین کے آنے میں ابھی کچھ وقت تھا جانو خان انجن پر جا بیٹھا اور سردی سے خود کو بچانے لگا۔

"اچھا ہوا دیتو تم آ گئے۔ تمہارے پنشن کی بات کا کیا بنا؟" جانو خان نے پوچھا۔

"نہیں جانو خان! اب پنشن لینے کا ارادہ بدل دیا ہے"۔ دیتو نے جواب دیا۔

"تب اس روز کیوں رو پیٹ رہا تھا؟" جانو خان نے کہا۔

"وہ کیسے؟" حیرت کا اظہار کرتے ہوئی جانو خان نے کریدا۔

"تمہیں تو معلوم ہے اسٹور سے جب میرا تبادلہ ہوا مجھے ایک انجن پر مقرر کیا گیا۔ اس انجن کا ڈرائیور اسٹور آفیسر کی طرح بہت بڑا چور تھا۔ سرکاری کوئلہ انجن سے چرا کر بیچا کرتا۔ مجھے اپنے انجن سے اس لئے نکلوایا کہ میں اس کی چوری میں بڑی روک تھا۔ وہ مجھ سے خوفزدہ تھا"۔ دیتو نے بتایا۔

"اچھا اچھا! یہ بات مجھے معلوم ہے"۔ جانو کہنے لگا۔

"اس انجن ڈرائیور نے مجھے ہٹانے کے لئے اسٹور آفیسر کو بہت بڑی رشوت دے دی تھی آفیسر

کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔ اس کے کہنے پر مجھے اس انجن سے برخواست کیا گیا۔ اس آفیسر کے علم میں تھا کہ ڈرائیور کوئلہ چرایا کرتا ہے اور خاصی رقم کما لیتا ہے چند مرتبہ ڈرائیور سے اس نے رقم وصول کی مگر ڈرائیور نے آفیسر سے کہا ہمیں ہمیشہ کے لئے آپ کو اپنی بالائی آمدنی میں حصے دار نہیں بنا سکتا۔ میں تو صرف اس قدر کوئلہ چراتا ہوں جس سے میرا سفر خرچ نکل آئے اس کام میں مجھے کچھ بڑی دولت تو ہاتھ نہیں آتی اسٹور آفیسر کو اس بات پر تاؤ آگیا بہت چالاک شخص تو تھا ہی اپنے دشمن کو پیچھے سے چھرا گھونپنا چاہتا تھا اس وقت خاموشی اختیار کی جب بھی باہم ملتے نہایت خندہ پیشانی سے بات چیت کرتے ڈرائیور کے دل سے اندیشے محو ہو گئے۔ وہ یہ سمجھا کہ آفیسر نے حصے داری کا معاملہ بھلا دیا ہے۔ اسے اطمینان حاصل ہوا کچھ وقت تو چوری سے ہاتھ روک لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ آفیسر یہ بات پولیس یا دوسرے بڑے افسروں تک پہنچائے مگر وہ جو کہا ہے چور چوری سے جائے ہیراپھیری سے نہیں چوکتا۔ جب اسے مکمل تسلی ہوئی وہ دوبارہ اپنی کرتوتوں پر اتر آیا۔ پہلے کی طرح پھر سے وہی قصہ دہرانے لگا۔ اسٹور آفیسر کے جاسوس اسے ہر بات کی خبر دیتے رہے وہ خود بھی جانتا تھا کہ جس منہ نے مٹھاس چکھی ہے اسے کڑواہٹ پسند نہیں۔ ڈرائیور اپنی دھن میں مست آفیسر کی طرف سے بے پرواہ ہو کر اپنے چوری بڑھاتا گیا اب آفیسر کو موقع ملا کہ وہ اس سے بدلہ لے۔

ایک رات انجن ڈرائیور نے کوئلے کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے چند بوریاں اچھی طرح بھر لیں۔ اس رات اس انجن کے شنٹنگ کی باری تھی ڈبوں کو ادھر ادھر مختلف لائنوں پر پہنچانا تھی ڈرائیور نے سوچا رات کو دیر سے بلکہ آخری پہر میں کوئلہ نکلوا کر لے جاؤں گا۔ آفیسر اس سے خبردار ہوا تھا اسے کوئلہ خریدنے والے شخص کے ایک مزدور نے ساری بات بتا دی تھی۔ اسٹور آفیسر کا ریلوے پولیس کے ایس ایچ او سے یارانہ مراسم تھے اس نے بلاتاخیر ایس ایچ او کو اس کی اطلاع دی پولیس نے موقع پر پہنچ کر ڈرائیور کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا اب اس کے خلاف چوری کا کیس چل رہا ہے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ دینو نے بتایا۔

"دینو بھائی! یہاں بڑے بڑے چور پڑے ہیں اس بے چارے نے تو کوئلے کے چند ڈلے اپنی گذربسر کے لئے چرائے ہیں ہو سکتا ہے کہ کم تنخواہ کی وجہ سے اس کا اور اس کے گھرانے کا گذارہ نہ ہو سکتا ہو مگر ایسے لوگ بھی تو ہیں جو انجن تک کو بیچنے سے نہیں چوکتے۔ خود اسٹور آفیسر اور اس کی بیوی کی

مثال موجود ہے جن کی تنخواہ بھی خاصی ہے وہ بھی چوری چکاری سے نہیں ٹلتے۔ اس غریب کی ایسی معمولی چوری پر خوش نہیں ہونا چاہئے"۔ جانو نے افسردگی سے کہا۔

"چوری چھوٹی ہو یا بڑی بہرحال چوری ہے"۔ دینو کہنے لگا۔

"ہاں! چوری ہے تو ضرور۔ مگر دیکھو ناں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں گے۔ گھر کا خرچ پورا نہیں ہوتا ہو گا۔ اس لئے اس نے یہ چوری کی ہو گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ چوری کوئی اچھی بات ہے۔ ایک پیسے کی چوری بھی ناپسندیدہ فعل ہے مگر جو لوگ قوم اور عوام کے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے چرا رہے ہیں انہیں کوئی نہیں پکڑتا کوئی انہیں جیلوں میں بند نہیں کرتا۔ کوئی انہیں پھانسی پر نہیں لٹکاتا۔ میں تو ان چوروں کی بات کر رہا ہوں جو اپنے بنگلوں میں بیٹھے قوم کی دولت چرا رہے ہیں ان کے عالیشان مکانات چوری کی دولت سے بنتے ہیں اسی چوری کی دولت سے وہ عیش و عشرت کی زندگی گذارتے ہیں جب کہ ملک کے لاکھوں کروڑوں انسان یاس و حسرت' دکھ اور غربت کی دل دوز زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ تمہیں کیا معلوم نہیں کہ لاکھوں ہزاروں بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھنگ کی جڑیں' جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں کھا کر پیٹ کا دوزخ بھرتے ہیں۔ اب تم خود اس بات میں منصف بنو کہ بہت بڑا چور کون ہے؟ کس چور کو سب سے پہلے گرفتار کیا جائے۔ کس چور کی چوری سے انسانوں کو بے انتہاء نقصان پہنچ رہا ہے۔ کوئی غریب اور مجبور تو کسی دن پانچ دس روپوں کی چوری کرتا ہو گا مگر وہ اونچی منزل کا باسی جو خود کو سب سے افضل قرار دیتا ہے۔ وہ جس کا حکم سب پر حاوی ہے اس کی برائیوں کا کسی کو احساس نہیں۔ کوئی اسے چور کہہ کر یا چور کا نام دے کر بلا سکتا ہے؟ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے دینو خان؟" جانو خان جذبات کی رو میں بہتا ہوا کہتا گیا۔

دینو خان کی باچھیں کانوں تک کھل کر رہ گئیں۔ وہ حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطے کھانے لگا زندگی میں پہلی بار ایک عام آدمی کے منہ سے سچائی کے بول سن کر وہ دل گرفتہ ادھر ادھر دیکھ کر جھینپنے لگا۔ کچھ نہ سوجھا تو بیلچہ پکڑ کر انجن کی بھٹی میں کوئلہ جھونکنے لگا۔ دوسری ٹرین کی آمد کا وقت ہونے لگا تھا جانو خان انجن سے اترا اور اترتے وقت دینو کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"کچھ دیر رک جاؤ۔ مجھے ایک بات کرنی ہے"۔

"ہاں! میں سن رہا ہوں۔ کہو!" دینو توجہ سے اسے دیکھنے لگا۔

"دینو خان! کچھ دنوں کے بعد میں کوئٹہ آؤں گا میری بیوی بھی ساتھ ہو گی۔ ہم شامو کے بیٹے کی مزاج پرسی کے لئے جائیں گے۔ ایک رات کے لئے شاید تمہارے گھر بھی مہمان بن کر ٹھہریں۔ یہ بتاؤ تم کس رات کو اپنے گھر میں ہو گے؟" جانو خان نے پوچھا۔

"تم نے کب آنا ہے؟" دینو نے نے پوچھا۔

"ہم پانچویں دن آئیں گے مگر انگوٹھی کے ساتھ۔ رضامندی حاصل کرنے"۔ جانو خان نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"اچھا...اچھا! چند سال پہلے والی بات کے لئے"۔ دینو نے کچھ سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہاں دینو خان! خیر کی کاموں میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ حضورو کو مجھ سے زیادہ تم جانتے ہو میں بھلا اس کی کیا تعریف کروں"۔ جانو خان بتانے لگا۔

"جی ہاں! تمہاری بات بھلی ہے۔ میں بھی گھر میں بیوی سے مشورہ کر لوں گا"۔ دینو نے جواب دیا۔

"کیا اسے معلوم نہیں تم نے پہلے ذکر نہیں کیا ہو گا"۔ جانو نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ خدا سب بھلا ہی کرے گا۔ گھر میں کچھ وقت پہلے یہ ذکر چلا تھا مگر بعد میں اس سلسلے میں زیادہ قیل و قال نہیں ہوئی اب جو تم آ رہے ہو اور بھالی بھی۔ اس سے آخری مشورہ تو کرنا پڑے گا"۔ دینو نے جواب دیا۔

"خدا کے لئے دیکھنا! میری سفید داڑھی کی لاج رکھنا۔ مشورہ آپس میں بے شک کرتے رہو مگر میری بات یاد رکھنا حضورو اچھا جوان ہے۔ تمہیں اس سے بہتر رشتہ نہیں مل سکے گا۔ اگر اچھا آدمی نہ ہوتا میں خود اسے اپنے قریب بھٹکنے نہ دیتا"۔ جانو خان نے بات ختم کی۔

چند دن گذار کر جانو خان نے دو دنوں کی چھٹی لی اپنی بجائے ایک اور دوست کی دو راتوں کے لئے بجار خان کے ساتھ ڈیوٹی لگوائی۔ ایک رات تو بہرحال دو دنوں کی چھٹی میں پڑنا تھی۔ جانو اور اس کی بیوی کوئٹہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کوئٹہ پہنچنے پر رات انہوں نے اپنے سالے کے ہاں گذارنا تھی۔ دن ڈھلے میاں بیوی شامو کے بیٹے کی عیادت کے لئے ہسپتال گئے جانو کو معلوم تھا کہ شامو کا بیٹا بچوں کے وارڈ میں داخل ہے انہوں وہاں پہنچنے اور ڈھونڈ نکالنے میں کسی طرح کی مشکل پیش نہیں آئی۔ ریلوے ہسپتال میں جانو پہلے بھی کئی مرتبہ آ چکا تھا۔ وہ سیدھے اسی کمرے میں پہنچے جہاں شامو کا لڑکا داخل تھا۔

شامو اور اس کی بیوی کو ایک مدت بعد اس طرح کی خوشی نصیب ہوئی ہے۔ شامو کی بیوی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملا رہے تھے۔ ڈاکٹروں نے اس لڑکے کو خصوصی نگہداشت کے لئے الگ کمرے میں رکھا ہوا تھا اس لئے کہ اس کی بیماری اور علاج کے بارے میں بات چیت کرتے رہے لڑکا اب پہلے کی نسبت خاصا صحت مند لگتا تھا جسم میں پانی اور آنکھوں میں چمک آ چکی تھی۔ پہلے تو وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آتا تھا اب چہرے پر صحت کی سرخی دوڑ رہی تھے اتنے میں شامو چینک اور چائے کی پیالیوں کے ساتھ آن پہنچا۔ چائے ڈال کر مہمان کو دیتے ہوئے کہنے لگا۔

"خدا آپ کو ہمیشہ لائے۔ مجھے اگر زندگی ملی میں آپ کی دل سے قدر کروں گا"۔

"شامو ہم نے آپ کے لئے کیا کیا ہے انسان کے لئے انسانوں کے کام آنا ضروری ہے"۔ جانو نے کہا۔

"ارے! آپ نے ہمارے لئے کیا نہیں کیا جانو خان! تمہارے اتنے احسانات ہیں میرا سارا خاندان زندگی بھر انہیں اتار نہیں سکتا۔ ہم بھلا ہی نہیں سکتے"۔ شامو آبدیدہ ہوا۔

"بھائی! ہمارا آپ پر کوئی احسان نہیں۔ یہ بچہ ہمارا بھی ہے خدا نے بڑی منتوں کے بعد آپ کو بخشا۔ اس معصوم کا رونا' بلکنا ہم سے دیکھا نہیں گیا ہم نے اسی لئے آپ کو یہاں آنے کے لئے کہا۔ شکر ہے خدا کا کہ آپ کا بیٹا اب صحت یاب ہو رہا ہے۔ ہمارا جی بھی خوش ہے۔ بھائی زندگی میں یہی تو ایک خوشی آپ کو نصیب ہوئی ہے۔ ورنہ کسے نہیں معلوم کہ آپ کی بھابھی کی زندگی کس یاس و حرمان میں گذری ہے۔ اگر میں جانتا کہ یہ بچہ جڑی بوٹیوں یا تعویذ گنڈوں سے بچ سکتا ہے تو کبھی آپ کو یہاں آنے کا نہ کہتا"۔ جانو خان نے کہا۔

"بھائی! اللہ آپ کو اس نیکی کا اجر عطا فرمائے۔ ہم غریبوں کے لئے تو آپ انسان کی شکل میں فرشتہ ثابت ہوئے۔ سچ تو یہ ہے کہ بیٹے کی دوا دارو پر ہماری کوڑی کوڑی خرچ ہو چکی تھی جس دن آپ نے ہمیں اس طرف بھجوایا گھر میں ایک پھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ آپ کے بھائی پریشان تھے کہ کیا کریں۔ اتنے میں خدا آپ کو لایا آپ نے ہمارا بوجھ ہلکا کیا ہماری مدد کی۔ بھائی خدا آپ کی آل اولاد بڑھائے۔ آپ کو زندگی عطا کرے"۔ شامو کی بیوی نے اظہار احسان مندی کیا۔

"نہ بہن! ایسا نہ کہیں۔ قدرت ایک دروازہ بند کر کے سینکڑوں دروازے کھول دیتی ہے۔ ہم نے

کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ ایک انسانی فرض تھا۔ انسان اگر ایک دوسرے کے کام نہ آئیں۔ فرشتے آسمانوں سے اتر کر تو مدد نہیں کریں گے۔ خدا آپ کے بیٹے کو صحت بخشے۔ یہی ہماری دعا ہے"۔ جانو خان کی بیوی نے جواب دیا۔

"ہاں بہن! آپ کے بیٹے کی بیماری سے ہماری بھی راتوں کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ مگر اب شکر ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے قدرت اگر درد دیتی ہے تو اس کی دوا بھی"۔ جانو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"جی ہاں بھائی! اب لڑکے کے چہرے پر رونق آنے لگی ہے"۔ شامو نے کہا۔

"کیسے؟ کون علاج کر رہا ہے؟" جانو خان نے پوچھا۔

"بھائی! کچھ ڈاکٹر ہیں جو روز آتے ہیں۔ مریض کا معائنہ کرتے ہیں تاہم ڈاکٹر حسن نہایت مہربان ہیں۔ دن میں کئی بار آ کر دیکھ جاتے ہیں۔ وقت پر دوا پلاتے ہیں' کہتے ہیں وقت پر دوا پلانا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹر بہت اچھا انسان ہے۔ معقول شخص ہے ہمدرد ہے۔ نہایت نرمی سے بات کرتا ہے۔ اچھی طرح سمجھاتا ہے۔ صرف ہم سے ہی نہیں پورے وارڈ میں ہر شخص اس کی تعریف کرتا ہے دوسرے ڈاکٹر صاحب بھی بڑے اچھے ہیں یہ ان سب سے بھلا ہے دیکھو بھائی اگر میرے بیٹے کو خدا نے زندگی بخشی میں بھیک مانگ کر بھی بیٹے کو ڈاکٹری پڑھاؤں گا"۔ شامو بہت خوش تھا۔

"خدا آپ کے بیٹے کو بڑی عمر دے"۔ جانو خان نے دعا کی۔

باب نوزدہم

سورج افق مغرب کو چھو رہا تھا- جانو اور اس کی بیوی تانگہ لے کر ویو کے گھر کی جانب روانہ ہوئے- سورج کی کرنیں کوہ مردار کی اونچی چوٹیوں پر شفق بکھیرنے لگی تھیں- کوہ چلتن کے طویل سائے کوئٹہ شہر پر پھیلتے پھیلتے راحت شب کا مژدہ دے رہے تھے حدت خوشگوار فضا میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی- ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تھپکیاں دے رہے تھے پرندوں کی ڈاریں اپنے گھونسلوں میں پناہ لینے کے لئے تیزی سے محو پرواز تھیں- چند ایک چڑیاں ایک دوسرے کے پیچھے قطار بناتی چلتن کی طرف اڑی جا رہی تھیں- سورج جوں جوں ڈھل رہا تھا کوہ چلتن کے پھیلتے سائے کوئٹہ شہر کو اپنی آغوش میں لے رہے تھے کوہ چلتن کی ایک چوٹی پر جمی ہوئے برف پر سورج کی کرنوں کے پڑنے سے عجب طرح کا سماں پیدا ہو رہا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کرنیں برف پر پھسلتی جاتی ہیں اور وادی کوئٹہ کو روشن کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہیں ان کرنوں پر جب انسان کی نظریں پڑتیں تو انہیں ہموار کرنے لگتیں ہوا میں اب خنکی بڑھنے لگی تھی ہسپتال سے ویو کے گھر تک پہنچنے میں تانگے کو بہرحال کچھ وقت لگا جب یہ میاں بیوی ویو کے گھر کے سامنے تانگے سے اترے تو چلتن کے سایوں نے کوہ مردار کی بلندیوں سے سورج کی روشنی چھین لی اب لحظہ بہ لحظہ تاریکی میں اضافہ ہو رہا تھا خوشگوار ٹھنڈی ہوا اب جسم کو چھیدنے والی سردی میں تبدیل ہونے لگی تھی جب تک سورج آسمان پر چمک رہا تھا اس کی کرنوں سے زمین جگمگا رہی تھی اس وقت ہوا اس کے آگے بے بس تھے وہ جتنے جتن کرتی کچھ کر نہ پاتی مگر سورج کے غروب ہوتے ہی ہوا کی بن آئی انسانوں اور پرندوں کو ڈراتے بھگاتے گھروں اور کونوں کھدروں میں لانے لگی تھی-

دیتو اپنی گھر میں بال بچوں کے ساتھ بیٹھا خوش گپیوں میں مشغول تھا بچوں نے اسے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا اسی اثناء میں اس کے گھر کے دروازے پر دستک سنائی دی دیتو خود اچھل کر کھڑا ہو گیا اسے معلوم تھا کہ جانو اور اس کی بیوی آج آنے والے ہیں گھر والی اور بچوں کو اس نے پہلے سے بتا دیا تھا۔ دیتو نے دروازہ کھولا تو جانو اور اس کی بیوی کو کھڑے پایا۔ زور دار آواز میں خوش آمدید کہہ کر دیتو جانو سے لپٹ گیا اسے ہلکے سے دبا کر اظہار محبت کیا۔ بعد میں اس کی بیوی کو خوش آمدید کہا۔ اتنے میں دیتو کی بیوی بھی دروازے پر آ گئی مہمانوں کا خیرمقدم کر کے انہیں کمرے میں لے آئی دیتو کی بیوی نے جیسے کہ رسم ہے دور ہی سے جانو کی خیریت دریافت کی سب لوگ وہیں آ کر بیٹھ گئے جہاں کچھ دیر پہلے دیتو اور اس کے بچے خوش گپیوں میں مشغول بیٹھے ہوئے تھے۔ گھر اندر سے حمام کی طرح گرم تھا جانو نے اپنی چادر اتار کر ایک طرف رکھ دی پھر کوٹ اتار کر اپنی پاس ہی بچھ دیا اور پگڑی سر سے اتار کر دیوار میں لگی ہوئی کیل سے لٹکا دی۔ بعد میں نہایت اطمینان سے اسٹوو کے قریب بچھائے ہوئے بچھونے پر بیٹھ گیا اور تکیے سے ٹیک لگائی جانو کی بیوی بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی' اوپر سے اوڑھی ہوئی دوہری اوڑھنی دیتو کی بیوی نے اس سے لے کر بستروں کے لئے بنائے ہوئے چبوترے پر ڈال دی۔ بچوں کو دوسرے کمرے میں بھجواتے ہوئے اپنی بڑی بیٹی کو آواز دے کر کہنے لگی۔ "شربانو! اے شربانو! بہنا اپنی خالہ اور خالو کی لئے چائے بنا کر بھجوا دے"۔

مردوں نے ایک دوسرے سے "احوال" پوچھا۔ پہلے مہمان نے اور بعدازاں میزبان نے اپنا احوال من و عن بیان کیا۔ خواتین بھی ایک دوسرے سے باتوں میں لگ گئیں۔ دیتو کی بیوی کی باچھیں خوشی سے کھل رہی تھیں۔ اتنے میں شربانو نے طشت میں کیتلی اور پیالیاں سجا کر اپنی چھوٹے بھائی کے ہاتھ چائے بھجوائی۔ ماں نے بلایا بھی مگر وہ شرم کے مارے سامنے نہیں آئی اس لئے کہ باتوں باتوں میں دیتو کی بیوی نے بیٹی کو پہلے سے اس رشتے کی خبر دے رکھی تھی۔ ہرچند کہ والدین بیٹیوں کی رائے معلوم نہیں کیا کرتے اور اپنی رائے ہی کو حتمی خیال کرتے ہیں یہ اسلام کی رو سے درست نہیں۔ دیتو نے چونکہ ریلوے ملازمت کے دوران اس کالونی میں بڑا عرصہ گذارا تھا جہاں مختلف قومیتوں سے متعلق لوگ بستے تھے ان کی دیکھا دیکھی دیتو کو یہ ترغیب ملی تھی کہ اولاد سے ان کے مستقبل کے بارے میں بات چیت غیرمناسب نہیں ہے چنانچہ بیوی سے مشورے کے بعد اس سے کہلایا تھا کہ بیٹی سے بھی بات کر لے اس

لئے کہ آئندہ زندگی اس نے گذارنی ہے۔ بیٹی سعادت مند تھی وہ والدین کے فیصلے پر راضی تھی ویسے بھی حضورو کو اس نے دیکھا ہوا تھا وہ اپنے باپ کے ساتھ کئی مرتبہ ان کے گھر بھی آ چکا تھا اسے قریب سے دیکھنے اور اس کی عادات طور طریقے جاننے کا موقع ملا تھا شہربانو اس رشتے سے خوش تھی۔ حضورو ایک ایسا جوان تھا کہ اس سے بہتر دولہا کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔

چائے وغیرہ سے خاطر تواضع کرنے کے بعد دیو کی بیوی رات کے کھانے کی تیاری کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جانو کی بیوی بھی یہ کہہ کر کہ وہ شہربانو کو دیکھ آئے وہاں سے روانہ ہو گئی۔ اب دیو اور جانو تنہا رہ گئے۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد دیو نے جانو خان سے پوچھا۔

"بھائی جانو خان! اسٹور آفیسر کے معاملے کا پتہ چلا"۔

"کون سا معاملہ؟" جانو خان نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"وہی اسٹور آفیسر جس نے مجھے چوری کرنے کو کہا تھا۔ جب میں نے ترکی بہ ترکی جواب دے کر انکار کیا تو اس نے میرا تبادلہ کروا دیا تھا"۔ دیو خان نے بتایا۔

"ہاں! خوب یاد آیا۔ تو اس کا کیا بنا؟" جانو نے پوچھا۔

"اس چور کو خدا نے یہاں سے دفع کیا ہے۔ اس کا تبادلہ ہو گیا۔ بہت بدنام ہوا۔ بہت سے لوگوں کی اسے بددعائیں لگیں"۔ دیو نے خوش ہو کر بتایا۔

"اسے کہاں بھجوایا گیا ہے؟" جانو خان نے پوچھا۔

"اس کے ہاتھ بہت لمبے تو تھے ہی۔ یہاں سے اس کا تبادلہ لاہور کر دیا گیا"۔ دیو نے بتایا۔

"تو اور کرتے بھی کیا۔ لاہور نہ بھیجتے' پھانسی تو دے نہیں سکتے تھے خود بتاتے ہو کہ اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے ایسوں کو کیا کچھ نہیں ہوتا یہ تو غریب غرباء کے لئے مصیبت ہوتا ہے خود انہیں کچھ نہیں ہوتا"۔ جانو نے کہا۔

"جی ہاں! آپ کی بات سچی ہے۔ کہتے ہیں ناں! گندے کپڑے پر داغ نہیں لگتے سفید کپڑے فوراً ہی داغدار ہو جاتے ہیں۔ اچھے کپڑے میں آگ جلد بھڑک اٹھتی ہے"۔ دیو نے کہا۔

"اسٹور آفیسر بھی گندہ کپڑا تھا اسے بھلا آگ سے کیسا خطرہ۔ جلتے تو ہم جیسے ہیں۔ آپ جیسے ہیں۔ یا پھر وہ بے چارہ انجن ڈرائیور جس نے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے چند ٹکڑے کوئلے کے اٹھائے

تھے"۔ جانو نے کہا۔

"یار! آپ درست کہتے ہیں۔ اس آفیسر کو کیا ہوا۔ اس تبادلے کا تو اس پر بالکل اثر نہیں پڑا تھا بلکہ خوش ہو رہا تھا ہیڈکوارٹر میں اپنی ہی گھر جا رہا تھا۔ شاید کچھ عرصے کے بعد اسے ترقی بھی مل جائے"۔ رنجو کہہ رہا تھا۔

"ہاں! رنجو خان اس ملک میں مصیبت پڑے سفارشیوں پر' راشیوں پر۔ تم جیسے غریب کے پیچھے ہاتھ دھو کر اس لئے پڑ گئے تھے کہ تم نے چوری میں ان کا ساتھ نہیں دیا مگر وہ صاحب لوگ جو مرغی کو بالوں سمیت ہضم کر لیتے ہیں نہ صرف ان کو ان کے گھر پہنچا دیا جاتا ہے بلکہ انہوں ترقیاں بھی مل جایا کرتی ہیں تاکہ وہ اور زیادہ ہاتھ مار سکیں اور اپنی لئے بنگلے اور عمارتیں کھڑی کر لیں۔ نئی نئی موٹریں خریدیں سونے چاندی میں کھیلتے رہیں۔ بنکوں میں ان کا سرمایہ پڑا سڑ رہا ہے ان کے بچے اسکولوں کالجوں میں پڑھیں بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک چلے جائیں عیش و عشرت کی زندگی گذاریں اور جب لوٹ کر آئیں تو ہمارے تمہارے افسر اور حاکم بنیں ہمارے سروں پر سرمہ پیسیں"۔ جانو خان جذبات کی رو میں بہتا ہوا نہ جانے کہاں جا پہنچا تھا۔

" بھائی! تمہارا کہنا بجا ہے۔ یہ سچائی کا زمانہ نہیں۔ اچھے آدمی کو کوئی پسند نہیں کرتا"۔ رنجو نے کہا۔

"اچھے انسانوں کی کمی نہیں ہے۔ انہیں کے صدقے یہ جہان قائم ہے۔ رنجو خان! یہ بچ یاد رکھنا خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ وہ آواز پیدا کئے بغیر لگتی ہے۔ کمزوروں اور بے زبانوں کی فریاد آسمانوں کو ہلا دیتی ہے۔ قدرت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو ہاتھ خواہ کتنے ہی لمبے ہوں خود کو بچا نہیں سکتے"۔ جانو نے کہا۔

یہ دونوں اپنی دفتر اور نوکریوں کے معاملات میں الجھے ہوئے تھے جب کہ جانو کی بیوی اس بات کی ٹوہ لگا رہی تھی جس کے لئے وہ اور اس کا میاں آئے تھے دونوں مردوں کو وہاں چھوڑ کر یہ دونوں دوسرے کمرے میں پہنچیں جانو کی بیوی نے بچوں کو یہ کہہ کر وہاں سے بھگا دیا کہ بچو! تم دوسرے کمرے میں جاؤ ہمیں یہاں کچھ بات کرنی ہے۔ دن بھر کی مشقت اور شام کی سردی کی وجہ سے میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ چکر سے آ رہے ہیں۔ خالہ کے کہنے پر بچے وہاں سے ہٹ گئے سوائے شربانو کے جو خالہ

کے پاس بیٹھی رہی۔ دیبو کی بیوی باورچی خانے میں کھانا پکانے میں مصروف تھی جانو کی بیوی بخاری کے قریب بیٹھی اور شہربانو کو اپنے پاس بٹھا کر کہنے لگی۔ "اماں! ذرا سا میرا سر تو دبا دے۔ بہت دکھ رہا ہے۔ آج دن بھر بھاگ دوڑ میں رہی ہوں سر پھٹا جا رہا ہے پاؤں شل ہوں رہے ہیں۔ نئی جوتیاں پیروں کو آبلہ کئے دے رہی ہیں۔ غارت ہوں یہ جوتیاں۔ کہا بھی تھا تمہارے خالو سے کہ یہ جوتیاں میرے پیروں میں کچھ تنگ ہیں مگر وہ میری بات سنتے ہی کب ہیں۔ نئی کشیدہ کار مستونگی جوتیوں پر خاصی رقم خرچ ہوئی ہے مجھ سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کسی کو ایسے ہی دے ڈالوں۔ ارے ہاں! تم اپنے پیروں میں ڈال کر دیکھو اگر یہ تمہارے پیروں میں ٹھیک سے آ جائیں تو تم رکھ لینا۔ خدا تمہارے خالو کو زندگی دے۔ میں اپنے لئے جوتوں کی اور جوڑی خرید لوں گی"۔

شہربانو خاموش تھی' خالہ اپنا سر جھکائے بیٹھی تھیں شہربانو سر دباتے ہوئے کسی کسی بات کا جواب ہاں یا نہیں میں دیتی یا جی کہہ کر ختم کر دیتی۔ سر دبانا تو محض بہانہ تھا اس نے شہربانو کو بہت دنوں سے نہیں دیکھا تھا۔ قریب سے دیکھنا چاہتی تھی۔ لڑکی کا خو بو اس کو پسند آگیا تھا خدا نے شکل صورت بھی اچھی دی رکھی تھی قد کھلتا ہوا جسم بھرا بھرا' چھینٹ کے معمولی لباس میں بھی وہ لڑکیوں میں ممتاز نظر آتی تھی۔ سستا سا دوپٹہ اوڑھے ہوئے بھی وہ گل لالہ کی طرح نظر آتی تھی اس کی ستواں ناک' بادامی آنکھیں' گلاب گوں سرخ و سفید چہرے پر نہایت بھلی لگ رہی تھیں لمبی چٹیاں اور گھنیرے بالوں نے خوبصورتی بڑھا دی تھی سنجیدگی' چال ڈھال میں شرافت کے لحاظ سے بھی قدرت نے اسے منفرد بنایا ہوا تھا۔ جانو خان کی بیوی کو تو جیسے صحرا میں کھلتا ہوا گل لالہ کا پھول ہاتھ لگا تھا وہ سوچ رہی تھی بس حضورو اور شہربانو کو تو خدا نے ایک دوسرے کے لئے ہی پیدا کیا ہے حضورو کو بھی خدا نے جوانی کی دولت سے سرفراز کر رکھا تھا۔ ضبط و تحمل' جرات میں وہ ہمسروں میں ممتاز تھا۔ یہ اچھی جوڑی مسرور زندگی گذارے گی۔ اتنے میں شہربانو کی ماں نے اسے آواز دے کر بلایا۔ لڑکی اٹھ کر ماں کی طرف چلی گئی کچھ دیر بعد دیبو کی بیوی نے آ کر کہا بہن اس کمرے میں آ جائیں کھانا تیار ہو چکا ہے۔ آپ نے بھی دن کو معلوم نہیں کچھ کھایا بھی ہو گا کہ نہیں بچے دوبارہ اپنے کمرے میں اچھلتے کودتے آ گئے۔ جانو نے ایک چپاتی الگ سے شوربے میں ڈبو دی دوسرے پاس بیٹھ کر کھانے لگے۔

رات جب بھیگ چلی بچے سو گئے تو جانو اور اس کی بیوی ایک طرف دیبو اور اس کی بیوی نے

دوسری طرف سے رشتے کی باتوں کا آغاز کیا۔ دیتو اور اس کی بیوی نے حضورو کو پہلے بھی قریب سے دیکھا ہوا تھا حضورو کے چال چلن میں انہیں کسی طرح کا نقص نظر نہیں آتا تھا وہ دو ایک بار ان کے ہاں مہمان کے طور پر بھی ٹھہرا تھا۔ دونوں میاں بیوی جانو خان سے کہنے لگے "بھائی آپ کی اور بھابھی کی آمد ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہماری طرف سے "ہاں" ہے تو مگر ہم تھوڑا سا ولور مقرر کرتے ہیں۔ ولور ہمیں اس لئے لینا ہے کہ اپنی بیٹی کو کچھ دینا ہے۔ ہم دو ہاتھ کی محنت طلب کرتے ہیں ورنہ ہم ولور کو جائز نہیں سمجھتے مگر کیا کریں ہم نے کچھ بھی نہیں بنایا اس رقم سے ہم اتنا کر سکیں گے کہ ناک نیچی نہ ہونے پائے کوئی یہ طعنہ نہ دے کہ ماں باپ نے بیٹی کو خالی ہاتھ گھر سے نکال دیا اور شوہر کے پلے باندھ دیا۔ دیتو نے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر آپ چاہیں تو منگنی اور شادی کی رسم ایک ہی بار نمٹا دی جائے۔ حضورو بھی غریب آدمی ہے میں نہیں چاہتا کہ شادی کے پانچویں دن قرض خواہ اس کی دروازے پر آ کر دھرنا دیں اور کوڑی کی عزت نہ رہے"۔

دیتو اوراس کی بیوی کی باتیں جانو خان اور اس کی بیوی کو پسند آئیں وہ بہت ہی خوش ہوئے مہمانوں کے لئے اسی کمرے میں بستر بچھا دیئے گئے دیتو اور اس کی بیوی دوسرے کمرے میں بچوں کے پاس جا سوئے انہیں دیر تک نیند نہ آئی آج جانو اور اس کی بیوی کو آج خوشی حاصل ہوئے تھی۔ ایک تو شامو کے بیٹے کی صحتیابی اور پھر دیتو اور اس کی بیوی کا سلوک حضورو کو داماد کے طور پر قبول کرنے پر رضامندی۔ جانو کہنے لگا۔ "نیک بخت آج کس کروٹ سے ہم اٹھے ہیں کہ ہر ایک کام نہایت خوبی سے ہونے لگا ہے"۔

"بس جی ہمیں اپنی کوئی غرض اور لالچ نہیں ہماری نیت صاف ہے اس لئے قدرت ہماری مدد کر رہی ہے"۔ بیوی نے جواب دیا۔

"اب ان بھلے لوگوں کو دیکھو۔ کوئی اور ہوتا تو ہزار قسم کی باتیں بناتا طرح طرح کے نخرے کرتا ایک نخرہ پورا کرتے تو دوسرا سامنے آتا مگر یہ دونوں میاں بیوی نیک اور سادہ لوح ہیں دو ایک باتوں میں ہی رضامندی ظاہر کر دی"۔

"بات یہ ہے کہ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ حضورو ہمارا ماں جایا نہیں، عزیز نہیں، غیر ہے مگر چونکہ اچھا جوان ہے ہم اس کی خیرخواہی کرتے ہیں ورنہ کون ہے جو اپنی اولاد کو دو چار باتوں میں کسی کے پلے

باندھتا ہے۔ یہ بھی ان کی شرافت اور نیک نیتی ہے کہ منگنی اور شادی کی تقریب اکٹھی کر رہے ہیں تاکہ حضورو پر قرض کا بار نہ پڑے۔ صرف چند آدمی آئیں سادگی سے شادی ہو"۔ جانو کی بیوی نے تعریف کی۔

"ہاں! تم بھی یہ بات جان لو کہ میں نے سورج کی حرارت میں یہ بال سفید نہیں کئے ہیں شروع سے ہی جفاکشی کی زندگی دیکھی ہے۔ ستتر گھروں کے چولہے تھاپے ہیں میں آدمی کو دور ہی سے دیکھ کر معلوم کر لیتا ہوں کہ کیسا شخص ہے۔ برے سے دوستی میں نے کبھی نہیں کی۔ میرے دوست ہمیشہ وہ لوگ رہے ہیں جن میں انسانیت خو بو ہے۔ لوگوں کی خیرخواہ ہیں"۔ جانو خان نے بتایا۔

دور سے ریل کی سیٹی سنائی دی جو تیزی سے بڑھتی آ رہی تھی۔ جانو خان نے وقت کا اندازہ لگایا کہ یہ ایک بجے پہنچنے والی ٹرین ہے جو ابھی آ پہنچی ہے کچھ ہی دیر میں اس کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔

باب بست

سبزل خان کی شہادت کا سارے گاؤں کو بہت افسوس ہوا۔ اس طرح جیسے ان کا کوئی غم خوار باپ انہیں درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ البتہ یہ درندے بھی اب بوڑھے ہو چکے تھے ان کے دانت کند ہو چکے تھے وہ جہاں منہ مارتے وہاں ان کا ایک دانت بھی اکھڑ جاتا اور وہ چیختے چلاتے پلٹ جاتے اب ان کی بھی توبہ تھی وہ اپنا ہاتھ آگے بڑھا سکتے ان کا دور گذر چکا تھا جن باپ دادا کے دنوں کی یاد رفتہ کو وہ صدائیں دیا کرتے تھے وہ میرسائیں داد کی موت کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو چکے تھے ان کا آخری وار بھی خطا ہو گیا تھا ان کے قبیلے کے سربرآوردہ میر سائیں داد ایسی موت مرا تھا کہ اس سے سب کے دل خوفزدہ ہو کر رہ گئے۔ اس کے علاوہ سبزل خان شہید نے عوام میں ایسی بیداری پیدا کی تھی کہ اسے کوئی بھی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا سبزل خان نے ایک ایسا چراغ روشن کر دیا تھا جس سے دور نزدیک ہر طرف روشنی پھیل گئی تھی سبزل خان شہید کو اپنے روشن کئے ہوئے چراغ کی روشنی کا احساس لازما" رہا ہو گا کہ اس چراغ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں چراغ جل اٹھیں گے اس نیک انسان کی مساعی کو اس علاقے کے عوام نے آگے بڑھانے کی قسم کھا رکھی تھی وہاں کی عوام نے عہد کر لیا تھا کہ پانی کے اس چشمے کو سوکھنے نہیں دیں گے۔

جانو خان اور اس کی والدہ کی تو دنیا اندھیر ہو گئی تھی ان کا گھر لٹ گیا تھامال مویشی تو چور پہلے ہی چرا کر لے گئے تھے جانو خان کا نیک نہاد باپ شہید کیا گیا۔ یہ مظلوم تو صحیح طور پر اپنے دشمنوں کو بھی نہیں جانتے تھے مگر قدرت نے ان ظالموں اور قاتلوں سے خود ہی انتقام لے لیا۔ میرسائیں داد اپنی

سازشوں کی بھینٹ چڑھ گیا سبزل خان کو شہید اور اس کے ریوڑ پر ہاتھ صاف کرنے والے خود بھی تیر و خنجر کی نوالے بنے۔ سبزل خان کی موت کو ابھی چالیسواں بھی نہیں گذرا تھا کہ اس کا چچیرا بھائی جمان خان پیٹ میں شدید درد اٹھنے سے اچانک ہی چل بسا۔ اس کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی کہ سبزل خان کی جائیداد اور ملکیت پر قبضہ کرے۔ ایسی سازش کرنے والوں اور قاتلوں کے سرپرستوں کو قانون قدرت کے مواخذے سے کوئی بھی نہ بچا سکا سبزل خان نے یہ جہاں نیک نامی اور سرخروئی سے چھوڑ دی مگر جنہوں نے اس کے لئے گڑھا کھودا وہ روسیاہی سے اس جہاں سے رخصت ہوئے۔

جانو خان اور اس کی والدہ سبزل خان کا رسم ماتم گذرنے کے مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد اپنی گاؤں سے کوئٹہ کی طرف رخصت ہونے لگے جہاں اس لائق خاتون کا بھائی ریلوے میں ملازم تھا گاؤں والوں نے بتیری کوششیں کیں۔ کہ وہ رک جائیں تاکہ انہیں ان کی خدمت کا موقع مل سکے اور اس بھلائی کا بدلہ چکائیں جو سبزل خان ان سے کرتا رہا تھا مگر ماں بیٹے کا دل گاؤں سے اچاٹ ہو چکا تھا وہ یہاں کس کے سہارے رہیں۔ سبزل خان کی بیوہ نے ان لوگوں سے کہا اگر میرے شوہر نے کوئی اچھا کام کیا ہے تو آپ لوگ اسے آگے بڑھائیں جو راستہ انہوں نے تمہیں دکھایا ہے ایک عزم سے اس پر گامزن رہو وہ راستہ یقیناً صداقت اور انسان دوستی کا ہے اسی راستے پر چل کر تم آفتاب تازہ جہاں میں پنچ کر ظلم کی اس تاریکی سے نجات پا سکو گے۔ میری درخواست ہے کہ جانو خان کے کھیتوں کی دیکھ بھال کرتے رہو اپنی محنت وصول کر کے ہمارا حصہ بھجواتے رہو جانو خان ابھی کم سن ہے اس کے باپ کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا پڑھ لکھ لے۔ میں اب کوئٹہ جا رہی ہوں اگر اس کے نصیب میں تھا تو پڑھ لے گا ورنہ اس کی خوشی کہ وہ پلٹ کر آپ کی طرف آ جائے۔ ان کی جانب کوئٹہ رخصت ہونے پر ہر ایک شخص آبدیدہ تھا۔

جانو خان ایک دن کلفت زدہ ہو رہا تھا دوستوں سے کہنے لگا بھائیو! آج اپنے اپنے کاموں کی فکر خود کرو مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا میں یہاں دھوپ میں کچھ دیر بیٹھتا ہوں تاکہ میرا جسم کچھ گرم ہو جائے۔ بیٹھے بیٹھے جانو خان یادوں میں کھو گیا اسے اپنے یتیم ہونے کے دنوں کی یاد آئی باپ کا سایہ سر سے اٹھنے کی وجہ ہی وہ کس قدر غمگین تھا کسی بھی چیز سے دل نہیں بہلتا تھا جیسے زندگی کی ساری کی ساری شادابیاں باپ کے طرہ دستار سے بندھی ہوئی تھیں پہلی مرتبہ اسے یہ احساس ہونے لگا کہ اونچی پرواز کرنے والا شاہین کی طرح پھڑپھڑا کر وہ زمین بوس ہوا ہے اس کے پر ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں۔ ماموں

اس کی دل دہی کی بہت کوشش کرتا مگر اس کا جی کب کسی بات میں لگتا لوگوں سے بدک جایا کرتا جیسے اس کی کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہو ماں جب تک زندہ رہی جانو خان کو بہلانے کی کوششیں کرتی رہی اس کی ناز برداری اور غم خواری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اس باحوصلہ خاتون نے اپنی غموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے منتوں مانگے بیٹے کی ہر طرح دلجوئی کی تاکہ اسے باپ کی یاد نہ ستائے ممانی بھی میر سنزل خان جیسے عالی ظرف شخص کی آخری نشانی سمجھ کر اس کی بہت خاطر داری کرتی رہتی تاہم جانو خان کا جی کسی بات میں نہ لگتا پڑھنے میں بھی جی نہیں لگتا تھا۔ افسردگی' دکھ اور غم اس کی زندگی کا حصہ بن کر رہ گئے تھے۔

جب جانو خان بہت مدت گذرنے پر بھی باپ کا دکھ نہ بھلا سکا تو اس کے ماموں نے جانو خان کے اسکول ماسٹر صاحب کو اس کے المیے سے باخبر کرتے ہوئے درخواست کی کہ اس پر مہربانی کی نظر کرتا رہے سختی وغیرہ نہ کرے اگر بچے پر شفقت کا اظہار کیا جائے تو ہو سکتا ہے وہ سنبھل جائے۔ اسکول جاتے وقت وہ روزانہ جانو خان کو ایک دونی دیا کرتا مگر جانو خان پر نہ تو اسکول کی فضا نے اثر کیا نہ استاد کی شفقت کام آئی وہ اس بھرے سکول میں بھی خود کو اکیلا پاتا کبھی کبھار کسی ہم جماعت دوست سے کوئی بات کر لیتا ورنہ کسی کے قریب نہ پھٹکتا۔ آدھی چھٹی ہونی پر بچے اپنے اپنے جیب خرچ سے چیزیں خریدتے مگر جانو خان کھیل کے میدان کے ایک خوشگوار کونے میں بیٹھے کوہ مردار کی بلند و بالا چوٹیوں کو دیکھتا رہتا جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ چھٹی ہونی پر گھر آتا دونی ماں کو دے دیتا ماں بے چاری جتنی تسلیاں دیتی اظہار محبت کرتی جانو خان کے دل کا بوجھ بڑھتا ہی جاتا البتہ کبھی کبھار اگر کسی سے ہنس بول لیتا تو وہ اس کی ماموں زاد تھی۔

جب گھر والوں کو اندازہ ہوا کہ جانو خان کی اس لڑکی سے طبیعت کی ہم آہنگی ہے تو انہوں نے لڑکی کو سمجھا دیا کہ جانو سے کھیلا کرے۔ دونوں مل کر جھولیں' گائیں خوش رہیں۔ جانو کی ماموں زاد اس سے بس سال دو سال چھوٹی تھی دونوں کی عمریں نو نو سال کی بمشکل ہی ہوں گی۔ شرف ناز کو اچھی صورت ملی تھی۔ جانو خان کا اگر دنیا جہان میں کسی سے دل ملتا تھا تو وہ یہی لڑکی تھی۔ دونوں کمسن بچے گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر گڑیوں کا کھیل کھیلا کرتے جب جانو خان کو باپ کی یاد ستاتی وہ اٹھ کر گھر سے باہر چلا جاتا۔ آج جانو خان کو اپنا بچپن اپنی یتیمی' ماں کی محبت یاد آ رہی تھی ایک سرد آہ بھر کر سوچنے لگا

یتیمی بھی کیا حالت ہے ماں باپ کی ٹھنڈی چھاؤں کسی اور سے مل ہی نہیں سکتی۔

جانو خان انھی خیالوں میں گھرا ہوا تھا اس کے دوستوں میں اس کے لئے ایک پیالی چائے لا کر رکھ دی وہ بے چارے کام میں اس طرح جتے ہوئے تھے کہ بہت دیر بعد انہیں جانو کا خیال آیا پیالی لانے والا بھی فوراً" ہی وہاں سے چلا گیا صرف دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ ایک گھونٹ بھر کے جانو خان پھر سے خیالوں میں کھو گیا اب اسے یاد آ رہا تھا کہ کس طرح اس کا اسکول اس سے چھٹ گیا تھا۔ اسکول کے چھوٹنے سے ماں کی افسردگی میں اور اضافہ ہو گیا تھا اس نے اپنی محبت پوری کی تھی کہ جانو خان پڑھ لکھ کر اپنی باپ کا ارمان پورا کرے مگر نصیب کا لکھا کب ٹلتا ہے والدہ' ماموں' ممانی ہر ایک نے کوشش کی تھی مگر جانو کو پڑھانے میں کامیاب نہ ہو سکے وہ بے چارے اور کر بھی کیا سکتے تھے انہیں ڈر تھا کہ زیادہ زور دینے پر کہیں وہ کسی ریل میں بیٹھ کر بھاگ نہ جائے۔ تھک ہار کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے جانو کی والدہ اس زندان غم سے روٹھ کر عالم جاودانی کو سدھار گئیں۔

وقت کا پہیہ اس تیزی سے گھومتا رہا جانو خان کے دل سے غموں کا بار گراں رفتہ رفتہ ہٹتا چلا گیا کہتے ہیں وقت ہر درد کی دوا ہر زخم کا مرہم ہے۔ والد کا قتل والدہ کی وفات کا غم شرف ناز کی محبت میں مدغم ہونے لگا شرف ناز تیزی سے جوانی کے رستے پر گامزن اور جانو خان بھی۔ قدرت نے شرف ناز کو جو حسن بخشا تھا وہ قابل دید تھا اس حسن سے بہاریں رنگین ہو رہی تھیں اس قد و خد' چہرہ و انداز سے دلوں کو راحت مل رہی تھی۔ ستواں ناک' بادامی آنکھیں' سفید چہرے پر سرخی مائل عارض' پتلے پتلے ہونٹ موتیوں جیسے دانتوں نے مل کر شرف ناز کی جوانی کو محشر بداماں بنا دیا تھا وہ گلاب کی ایک تازہ کلی نظر آتی تھی۔ جانو خان کی زندگی میں بس اسی سے مسرت و اطمینان تھا کہ جانو خان کی ماں کے بستر مرگ پر ماموں نے شرف ناز سے جانو خان کی نسبت طے کر رکھی تھی۔

بیٹھے بیٹھے جب جانو خان نے چہرہ اوپر اٹھایا تو سورج بہت اونچا چڑھ آیا تھا تاہم جانو خان کے جسم کو دھوپ کی حرارت گرما نہ سکی تھی وہ ایک نوکیلے پتھر سے زمین پر لکیریں کھینچ رہا تھا اور یادوں کے سمندر میں لہروں کے ہلکورے اس کی آنکھوں کے سامنے سے گذر رہے تھے۔ اسے یاد آیا کہ اس کا محبت کرنے والا ماموں اس کی بے روزگاری سے دکھی ہو رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ داماد شادی سے پہلے برسرروزگار ہو۔ خود جانو بھی روزگار طے بغیر شادی کرنے کا خواہش مند نہ تھا بچپن سے جوانی تک اس نے ماموں کا

نمک کھایا تھا مگر اب وہ جوان تھا اپنے ہاتھوں سے کما کر کھانا چاہتا تھا۔ ماموں کو جانو خان کے ان احساسات کی خبر تھی اس نے بہت بھاگ دوڑ کی جانو خان کو ریلوے میں پوائنٹس مین کی ملازمت ملی۔ جانو خان کو یاد آ رہا تھا کہ نوکری ملنے پر وہ کتنا خوش تھا اس لئے کہ اب وہ شرف ناز کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کر سکتا تھا وہ دونوں ایک نئی منزل کی طرف جانے کو تھے۔

اکادمی ادبیات پاکستان ادب کے ذریعے قومی یکجہتی کے فروغ اور پاکستانی ادب کو متعارف کرانے کے لئے اہم کام کر رہی ہے۔ قومی یکجہتی کی فضا ہموار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستانی زبانوں کے ادب کے تراجم کرائے جائیں تاکہ ایک دوسرے کے ادبی رویوں اور رجحانات سے واقف ہوں۔ پاکستان کی تمام زبانوں کے ادب کا فروغ اکادمی کے مقاصد میں شامل ہے۔ اولین ناول کے تراجم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اکادمی سندھی، پنجابی، بلوچی، پشتو اور سرائیکی زبانوں کے اولین ناول کے تراجم کر چکی ہے۔

زیر نظر ناول گل بنگلزئی کے اولین براہوی ناول "روشن پیش" کا اردو ترجمہ "آفتاب تازہ" ہے جسے جناب غوث بخش صابر نے خوبصورتی سے ترجمہ کیا ہے۔